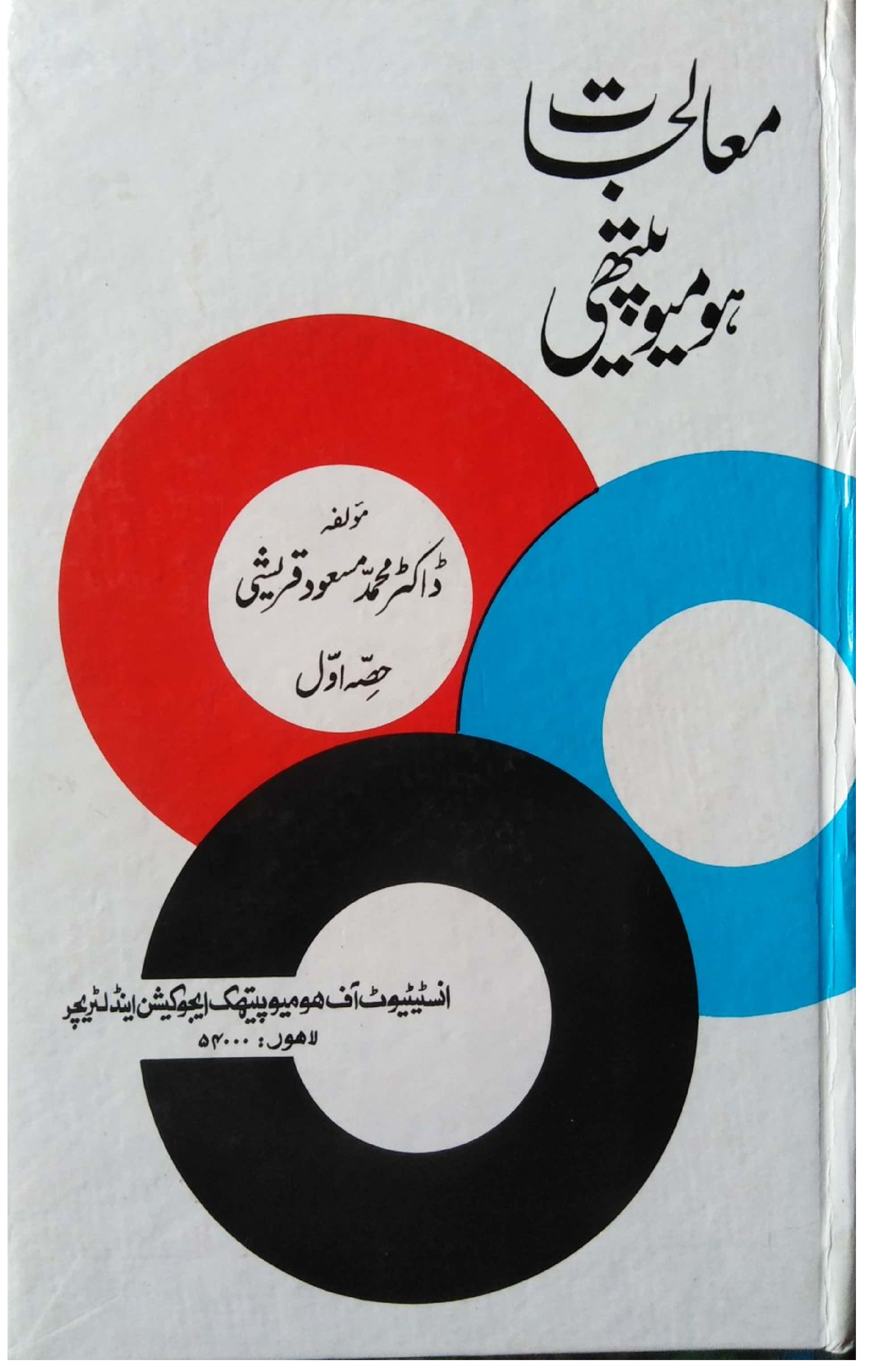

معالجات
ہومیوپیتھی
مؤلفہ
ڈاکٹر محمد مسعود قریشی
حصہ اوّل
انسٹیٹیوٹ آف ہومیوپیتھک ایجوکیشن اینڈ لٹریچر
لاہور: ۵۴۰۰۰

مُعالجاتِ ہومیوپیتھی

حصہ اوّل

مؤلفہ:

ڈاکٹر محمد مسعود قریشی

انسٹیٹیوٹ آف ہومیوپیتھک ایجوکیشن اینڈ لٹریچر
لاہور: ۵۴۰۰۰

نام کتاب معالجات ہومیوپیتھی حصہ اول

پہلا ایڈیشن 1942ء

دوسرا ایڈیشن 1990ء

تیسرا ایڈیشن 1996ء

چوتھا ایڈیشن 2008ء

مطبع: ایکوپرنٹ 16- کلومیٹر فیروزپور، روڈ لاہور

بہ فرمائش: خالد مسعود قریشی

بہ اہتمام: عامر وحید قریشی

قیمت: روپے مکمل سیٹ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

معالجات ہومیوپیتھی پر اردو لٹریچر بہت ہی کم دیکھنے میں آیا ہے حالانکہ ہومیوپیتھی کے پریکٹس کرنے والے عام طور پر اردو دان ہی ہیں۔ چند تالیفات جو ہمارے دیکھنے میں آئی ہیں یا اس تجربہ کی بنا پر جو ہومیوپیتھک میگزین کو سالہا سال تک شائع کرنے کے بعد ہمیں میسر ہوا ہے اس بات کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ موجودہ تالیفات کے مطالعہ سے ہومیوپیتھی کے صحیح اصولوں کو سمجھ کر پریکٹس کرنے کا ملکہ حاصل نہیں ہوتا اور ہومیوپیتھس اسی الجھن میں ہومیوپیتھی سے کہیں دور جا نکلتے ہیں۔ مثلاً کوئی صاحب ہومیوپیتھی کے یگانہ اصول، (مفرد دوا۔ قلیل مقدار دوا۔ بالمثل دوا) سے بدظن ہو کر مرکب دوا سازی اختیار کر لیتے ہیں اور کئی لوگ ایلوپیتھی کی تقلید میں انجکشن کرنے پر اتر آتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ ہمارے خیال میں ان تمام غلطیوں اور گمراہیوں کا سبب محض یہ ہے کہ اردو دان اصحاب کے لئے صحیح تعلیمی لٹریچر موجود نہیں۔ چنانچہ اسی بنا پر یہ کتاب لکھی گئی ہے۔

ہمارے ناظرین کو چاہیے کہ اس کتاب کا مطالعہ سبقاً سبقاً شروع سے آخیر تک کریں۔ پھر امید ہے وہ تمام غلط کاریاں یا وہم و گمان جو ہومیوپیتھی کے خلاف دلوں میں اٹھتے رہتے ہیں سب دور ہو جائیں گے اور سچے ہومیوپیتھ بننے کا صحیح راستہ نظر آ جائے گا۔

محمد مسعود

یکم فروری 1942ء

عرض ناشر طبع دوم

"معالجات ہومیو پیتھی" دو جلدوں پر مشتمل کتاب آج سے تقریباً نصف صدی پیشتر 1942ء میں پہلی مرتبہ طبع ہو کر منظر عام پر آئی اور اہل فن کی تسکین ذوق کا باعث بنی۔ یہ کتاب ہاتھوں ہاتھ لی گئی اور جلد ہی اس کا نقش اول دیکھتے دیکھتے ختم ہو گیا لیکن کتاب کی طلب اور مانگ میں کمی نہ آئی۔ ظہور پاکستان کے بعد نوزائیدہ اسلامی مملکت کو بے پناہ مسائل کا سامنا کرنا پڑا ان میں مولف کے نزدیک سر فہرست ہومیو پیتھی کو سرکاری سرپرستی دلانے کا مسئلہ تھا۔ دوم وطن عزیز میں معیاری اور قابل اعتماد ہومیو پیتھک ادویہ سازی کے ادارہ کا قیام، ادویہ کی بہم رسانی، ہومیو پیتھک درسگاہ اور تدریسی مقاصد کے لئے ایک اقامتی و غیر اقامتی ہسپتال کے قیام جیسے گوناگوں کٹھن مسائل تھے۔ انہی وجوہ کی بنا پر مولف نے اس ناپید اور مفید کتاب کو امکانی کوشش کے باوجود اپنی حیات مستعار میں دوبارہ طبع نہ کرا سکے۔ اگرچہ اس دوران ان کے قلم سے ہومیو پیتھی سے متعلقہ بے شمار تحقیقی مقالات اور کتب انگریزی، اردو زبان میں ہمیں مطالعہ کے لیے میسر آتے رہے لیکن زیر نظر کتاب شائع کرنے کی نوبت نہ آئی۔

ہم بڑے فخر و انبساط کے ساتھ اس گنج ہائے گراں مایہ کا نقش ثانی چند ایک ضروری اضافہ جات کے ساتھ پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ امید ہے قارئین کرام ہماری اس ناچیز کوشش کو سراہیں گے۔ جلد اول میں اشاعت ہومیو پیتھی کے باب میں ہومیو پیتھی کو سرکاری سرپرستی دلانے کی جد و جہد کے ابتدائی دور کی جھلکیاں ملیں گی۔ آج کے قارئین کی سہولت اور تشنگی کو دور کرنے کے لئے قیام پاکستان کے بعد صرف ایک برس کی جاں گسل داستان ہم نے ضمیمہ نمبر ا کے طور پر شامل اشاعت کرنے پر اکتفا کیا ہے تا کہ آج کی نسل اپنے اسلاف کے کارناموں سے کماحقہ آگاہی حاصل کر سکے جنہوں نے اس سائنس کو اپنے خون جگر سے سینچا اور اپنے آرام اور صحت تک کو داؤ پر لگا دیا۔

اس طرح 20 جنوری 1965ء کو ہومیو پیتھی کو سرکاری سرپرستی حاصل ہونے کے بعد ڈاکٹر محمد مسعود قریشی کی اس موقع پر یادگار تقریر کا اقتباس بھی ضمیمہ نمبر2 کے طور پر شامل

کر دیا گیا ہے۔ یہ تقریر انہوں نے سوسائٹی آف ہومیوپیتھس کے ایک اجتماع کو مخاطب
کرتے ہوئے کی تھی۔ امید ہے کہ ان کی یہ تقریر بھی قارئین کے لئے دلچسپی کا باعث ہو
گی۔

حصہ اول میں ہومیوپیتھک دواؤں کے باب میں فن ہومیوپیتھی کے سائنٹفک
ہونے کے ثبوت میں بین الاقوامی شہرت کے حامل سائنس دان پروفیسر بینونسٹ
(Prof: Benveniste) کی تازہ ترین تحقیقاتی رپورٹ پر مبنی مضامین ضمیمہ نمبر3 کے طور پر
شامل اشاعت ہیں۔ اس کے علاوہ کتاب میں درج مختلف تصاویر کی نوک پلک سنوار کے
دوبارہ چھپوایا جا رہا ہے۔ ہم مدیر اعلیٰ ماہانہ "ہومیوپیتھک میگزین" جناب خالد مسعود قریشی
کے ممنون ہیں کہ انہوں نے ان ایزادی مواد تک رسائی حاصل کرنے میں ہماری اعانت اور
رہنمائی کی اور "ہومیوپیتھک میگزین" میں شائع شدہ مذکورہ مضامین کی نشاندہی کی نیز انہیں
شامل اشاعت کرنے کی اجازت دی۔ ڈاکٹر حامد الیاس مسعود صاحب بھی ہمارے شکریہ کے
مستحق ہیں جن کی نگرانی میں کتاب کا نقش دوم زیور طبع سے آراستہ ہو کر قارئین تک پہنچ
رہا ہے۔ ہم ڈاکٹر ریاض احمد ریاض کے بھی شکر گزار ہیں جنہوں نے کتب کی طباعت کے
دوران مفید مشوروں سے ہمیں نوازا۔

عرض ناشر طبع سوم

"معالجات ہومیوپیتھی" کا نقش ثانی 1990ء میں چند اضافوں کے ساتھ طبع کیا گیا
تھا۔ دو جلدوں پر مشتمل اس کتاب کا ایڈیشن شائقین نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ ایڈیشن ختم
ہونے کو تھا لہٰذا ہم نے تیسرے ایڈیشن کی تیاری میں مزید تاخیر مناسب نہ سمجھی۔ ہم نے
موجودہ ایڈیشن جدید طباعتی تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے از سر نو ترتیب دیا ہے۔ کتاب میں
مناسب اضافے، ضروری رد و بدل اور کئی ایک نئے مضامین بھی شامل کیے گئے ہیں جس کے
باعث اس ایڈیشن کی افادیت دو چند ہو گئی ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ یہ کتاب ہومیوپیتھک
معالجین، طلباء اور ہومیوپیتھی میں دلچسپی رکھنے والے قارئین کی ضروریات کو کما حقہ پورا
کرے گی۔

ہم ڈاکٹر خالد مسعود قریشی پرنسپل پاکستان ہومیوپیتھک میڈیکل کالج لاہور کے شکر گزار ہیں جنہوں نے تیسرے ایڈیشن کے مرتب کرنے میں اپنی قیمتی آرا سے گاہے بگاہے ہمیں آگاہ کیا- موصوف کی راہنمائی اور مشورے پر نئے موضوعات شامل اشاعت کیے گئے ہیں- ڈاکٹر محمد سلیم کتاب کی اشاعت کے تمام مراحل کے دوران مسلسل اپنے مفید مشوروں سے ہمیں نوازتے رہے جس کے لئے ہم ان کے نہایت ممنون ہیں-

ناشرین

فہرست مضامین

تکلیفوں اور مشکلوں کا سامنا

مصائب تنہا نہیں آتیں اور ہانمن پر بھی تنہا نہیں آئیں۔ دوسرے معالجوں کا حسد' عطاروں اور دوا سازوں کا غیظ و غضب' عوام کی جہالت اور تعصب اور خود ہانمن کا ایماندارانہ اور راست بازانہ رویہ اور پس و پیش سب مشکلات نے مل کر اس محسن اعظم کو بہت سے سالوں تک حقیقی خانہ بدوش بنائے رکھا۔

۱۷۹۹ء میں اس نے کونگ سلٹر سے اپنا بوریا بسترا اٹھایا اور ہمبرگ کی طرف ایک چھکڑے میں سفر کیا جس میں اس کا خاندان اور کچھ اثاثہ ارضی بھی شامل تھا۔ ایک ڈھلوان راستے سے اترتے ہوئے چھکڑا الٹ گیا۔ ایک کمسن لڑکے کے سخت چوٹ آئی اور وہ جلد ہی مر گیا۔ ایک لڑکی کی ٹانگ ٹوٹ گئی' خود ہانمن کے بہت چوٹ آئی اور اس کا مختصر سا سامان نیچے ایک ندی میں جا پڑا اور خاصا نقصان ہوا۔ بڑی مشکل سے یہ لوگ ایک قریبی گاؤں میں پہنچے جہاں بچی کی ٹوٹی ہوئی ٹانگ کے سبب انہیں کئی ہفتے ٹھہرنا پڑا۔

۱۸۰۰ء میں ہانمن کے لیپزگ والے ناشر نے ہانمن کو طبی نسخوں کی ایک انگریزی کتاب موسوم بہ "تھیسارس میڈیکا مینم" Thesaurus Medicaminum کا جرمن

میں ترجمہ کرنے کے لیے کہا۔ چنانچہ اس نے کتاب کا صحیح ترجمہ تو کر دیا لیکن اس کے شروع میں اپنی طرف سے ایک خاص دیباچہ اور اس پر چند حجت آمیز نوٹوں کا اضافہ کر دیا۔ دیباچہ میں اس نے واحد دوا کے استعمال کے متعلق یوں لکھ دیا کہ :۔

"بہترین سے بہترین مرکب نسخے بھی کہیں نہ کہیں قابل اعتراض ہوتے ہیں مثلاً کہیں تو ان کا طریقہ استعمال ہی غیر قدرتی، کہیں دواؤں کا اثر ایک دوسرے کے مخالف و مقابل اور کہیں نسخہ ہی سراسر خلاف مطلب ہوتا ہے اور اس مقصد کے متضاد و منافی جس کے لیے وہ استعمال کیے جا رہے ہیں۔ یہ ایسی سچائی ہے جو ہمارے نسخوں سے محبت کرنے والے زمانہ میں بہانگ دہل سب کو سنا دینی چاہیے۔"

نتیجہ یہ ہوا کہ ہانمن نے اپنے اس رویہ سے ناشر کی سرپرستی کھو دی۔ وہ جانتا تھا کہ اس کی صاف گوئی کا کیا حشر ہوگا لیکن اسے اس کی پروا نہ تھی۔ اگرچہ وہ فاقہ کشی سے قریب تر آتا جا رہا تھا تاہم وہ اتنا دیانت دار تھا کہ ایک طبی، خلاف عقل تصنیف کا ترجمہ بھی اس کی خامیوں کو ظاہر کئے بغیر کرنے کو تیار نہ تھا۔

اس کی قابلیت کے باوجود اس صاف گوئی و بیباکی کا ثمرہ اس کو اتنا بھی نہ ملا کہ اپنے ملک اور اپنی قوم میں اس سے مساوی برتاؤ اور منصفی کی جاتی۔ ۱۸۰۱ء میں اس نے انیسویں صدی کے آغاز میں طبی برادری کی فیاضی و فراخ دلی پر غور و خوص پر ایک مضمون لکھا جس کو اس نے اس فقرہ کے ساتھ ختم کیا :۔

"جرمنی کے معالجو بھائی بھائی بن جاؤ، نیک بن جاؤ، منصف و دیانتدار بن جاؤ۔"

یہ ایک پر جوش استدعا ہے جو ہر ملک میں ہانمن کے پیروؤں کو کرنی پڑی ہے اور اپنے ہم پیشہ بھائیوں سے آئندہ بھی کرنی پڑے گی۔ یہ ایک پر جوش استدعا ہے جسے ہندوستان کے ہومیوپیتھ خصوصاً آل انڈیا ہومیوپیتھک ایسوسی ایشن آگرہ اپنی کوتاہیوں اور خامیوں کے باوجود کچھ عرصہ سے بار بار کر رہی ہے لیکن جس کا اثر بہت کم ہو رہا ہے لیکن دوستو! ہانمن نے ہمت نہ ہاری اور نہ اس کے پیروؤں کو ہارنی چاہیے اور یہ یاد رکھنا چاہیے کہ

آسان ہونے والی ہیں سب تیری مشکلیں
تھوڑا سا اور صبر دل بے قرار کر

انگلستان کے مشہور فلاسفر کار لائل نے کیا خوب کہا ہے کہ غربت' لگاتار محنت اور ان دو چیزوں سے بھی زیادہ تکلیف دہ ایک اور شے یعنی برائیاں' شاعروں اور داناؤں کے حصہ میں آتی رہی ہیں' جن سے ان لوگوں کو جدو جہد کرنا پڑی اور بالآخر اپنی اولوالعزمی اور ثابت قدمی سے فتح پائی۔

نامی کوئی بغیر مشقت نہیں ہوا
سو بار جب عقیق کٹا تب نگیں ہوا

غیر معمولی ذہانت کی خوبی دیکھئے کہ یہ غربت کو بلند مقاصد کے لیے سنگ راہ بنالیتی ہے۔ حکیم ملت علامہ اقبال علیہ الرحمتہ نے کتنا درست فرمایا ہے

تو نے دیکھا بھی کبھی اے دیدہ عبرت کہ گل
ہو کے پیدا خاک سے رنگیں قبا کیونکر ہوا

اس چیستان میں ایک ضرب المثل زبان زد خاص و عام ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ "غربت تمام فنون لطیفہ کی ماں ہے"۔ بہرحال یہ ضرب مثل فن ہومیوپیتھی پر ضرور صادق آتی ہے۔ سیرت ہانمن مصنفہ ڈوجن صاحب سے مندرجہ ذیل اقتباس قارئین کرام کی آنکھوں سے آنسو بہا کر رہے گا۔

"ہانمن مقام میچرن میں رہائش کے دوران میں سارا سارا دن ترجمہ پر محنت کر کے رات کو اکثر کنبہ کے کپڑے دھونے میں اپنی صابر اور مستقل مزاج بیوی کا ہاتھ بٹاتا اور چونکہ وہ صابن خریدنے کا مقدور نہ رکھتا تھا پس اس مقصد کے لیے وہ کچے آلو استعمال کرتے تھے۔ علمی و ادبی محنت سے کثیر کنبہ کے لیے جو خوراک وہ حاصل کر سکتا تھا وہ اتنی قلیل ہوتی تھی کہ خاندان کے افراد کی بڑبڑاہٹ روکنے کے لیے وہ ہر فرد کو روٹی کا مساوی حصہ تول کر دیتا تھا۔ آزمائشوں کے اس نازک دور میں اس کی چھوٹی لڑکیوں میں سے ایک لڑکی بیمار پڑ

گئی اور روز مرہ کے حصہ کی وہ روٹی جو اس کو ملتی تھی اب بیماری کے سبب نہ کھا سکتی تھی پس ایک بچہ کی فطرت کے مطابق وہ اپنا حصہ احتیاط سے ایک صندوق میں رکھ کر جمع کرتی جاتی تا کہ شفا یابی پر جب بھوک لگے تو اس کو وہ کھائے لیکن بد قسمتی سے اس کی بیماری روز بروز بڑھتی گئی اور اس کو یقین ہو گیا کہ وہ اچھی ہو کر کبھی اپنا اندوختہ استعمال نہ کر سکے گی پس ایک دن اس نے اپنی چھوٹی پیاری بہن سے کہہ دیا کہ "دیکھو میں جان گئی ہوں کہ میں بچوں گی نہیں اور اپنا اندوختہ کبھی نہیں کھا سکوں گی" یہ کہہ کر سنجیدگی سے خشک، سوکھے ہوئے ٹکڑوں کا انبار بطور عطیہ چھوٹی بچی کے سامنے کر دیا اور پھر کہنے لگی "یہ تم کھا لینا، میں اپنا روز کا حصہ اس خیال سے جمع کرتی رہی کہ اچھی ہو کر کھاؤں گی مگر اچھا ہونا میری قسمت میں نہیں۔"

ہم نے یہ اقتباس قصداً اور مصلحتاً یہاں اس لیے پیش کیا ہے کہ فی زمانہ کے ہومیوپیتھ حضرات شدائد اور صعوبتوں سے بددل و برگشتہ خاطر ہو جاتے ہیں۔ اس حقیقت کا یاد رکھنا ان کے لیے باعث تسکین ہو گا کہ ان کا آقا، قائد اور رہنما ان کی صعوبتوں سے بھی سخت آزمائشوں سے گزرا تھا۔ صعوبت ہومیوپیتھی کا طرہ امتیاز ہے اور غربت اس کا مقدس نشان۔

غربت اور صعوبت کے ہوتے ہوئے بھی غیر معمولی ذہانت کا کار عظیم جاری رہا۔ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ ہانمن نے ۱۷۹۰ء میں سنکونا کی چھال پر تجربات کیے۔ پھر ۱۷۹۰ء سے ۱۷۹۶ء تک اس نے مختلف دواؤں کے تجربات اپنے اوپر، اپنے خاندان اور اپنے دوستوں پر کیے اور بعد ازاں اپنا مضمون "دواؤں کی شفا بخش طاقتوں کی تحقیق کا نیا اصول" ایک رسالہ میں شائع کرایا۔ تجربات کا سلسلہ سالہا سال جاری رہا اور ۱۸۰۵ء میں ہانمن نے اپنے تجربات کا پہلا مجموعہ بہ عنوان "فریگ منٹا ڈی وربیس" Fragmenta de Viribus شائع کیا اور پانچ سال بعد یعنی ۱۸۱۰ء میں دنیا کے رو برو اپنی مشہور تصنیف کلیات ہومیوپیتھی Organon پیش کی جس میں اس کی نئی طبی دریافتوں اور عقیدوں کا مفصل ذکر درج ہے اور جس میں ہومیوپیتھی کا نام پہلی مرتبہ درج ہوا۔ یہ کوئی عاجلانہ و ناقبت اندیشانہ، محض اتفاقی، اٹکل پچو تصنیف نہ تھی بلکہ ایک مستند و مشہور معالج اور دوا ساز کے بیس سال کے

محتاط مطالعے اور ہوشیار تجربات کا قیمتی ثمر تھا۔ اس طرح ۱۸۱۰ء ہومیوپیتھی کی پیدائش کا سال ہے جس میں کلیات ہومیوپیتھی جو بجا طور پر ہومیوپیتھی کی بائبل کہلاتی ہے منظر عام پر آئی۔

آرگینن (کلیات ہومیوپیتھی) ۱۸۱۰ء میں آرنالڈ نے شائع کی جو خود ہانمن کے شکر گزار مریضوں میں سے تھا۔ لیکن اس ہومیوپیتھی کی بائبل کے ساتھ طبی پیشہ وروں نے کیا سلوک کیا؟ وہ تضحیک و تمسخر کی لگاتار بوچھاڑوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ وہ شخص جس نے اپنی قیمتی زندگی کے بیس سال ہوشیارانہ مشاہدات و تجربات میں صرف کیے اور جس نے بیسیوں مریضوں کو حیرت انگیز طور پر اچھا کر کے اپنا دعویٰ صحیح ثابت کیا اس کو "نیم حکیم خطرہ جان، بازاری طبیب، جاہل مطلق" کے خطابات ان لوگوں نے دیئے جو خود نیم حکیم خطرہ جان، بازاری طبیب اور جاہل مطلق تھے۔ ازاں بعد ۱۸۱۱ء میں اس کے لڑکے کے نام سے (لیکن خود ہانمن کے قلم سے) بطور تردید ایک بیان شائع کیا گیا لیکن موثر و مکمل جواب تھوڑے عرصہ بعد اسی سال ہانمن کی میٹریا میڈیکا پیورا جلد اول کی اشاعت میں دیا گیا۔ اس جامع کتاب میں ان علامات کا تفصیلاً اور سلسلہ وار بیان درج ہے جو ہانمن اور اس کے شاگردوں کے جسموں پر مختلف دواؤں سے تجربات کر کے حاصل کی گئیں اور جن کی تصدیق آج بھی کی جا سکتی ہے اور جو ہومیوپیتھک علاج کی اساس و بنیاد ہیں۔

ان تصانیف پر اکتفا کرتے ہوئے ہانمن اپنی سرگرمیوں کے سابقہ مقام یعنی لیپزگ اس خیال سے چلا گیا کہ وہاں ایک ہومیوپیتھک درس گاہ اور شفاخانہ کھول کر اپنی تعلیم کی اشاعت زیادہ موثر طریقہ سے کرے لیکن اس کی مدد کون کرتا؟ صرف ایک راستہ جو اس کے لیے باقی تھا یہی تھا کہ جو لوگ اس کا بیان سن لینا پسند کریں ان کے سامنے ہومیوپیتھی پر لیکچر دے اور یہ مطمع نظر قائم کر کے اس نے دسمبر ۱۸۱۱ء میں مندرجہ ذیل اشتہار شائع کیا:-

طبی ادارہ

"میں محسوس کرتا ہوں کہ میری تعلیم نے جو آرگینن (کلیات ہومیوپیتھی) میں دی گئی، مریضوں کی بہتری کے لیے بڑی بڑی امیدیں پیدا کر دی ہیں لیکن اپنی ماہیت کے لحاظ سے وہ اس قدر نئی اور حیران کن ہے

اور نہ صرف طبی اصولوں اور روایتی مشاہدات کی مخالفت کرتی ہے بلکہ ان سے ایسی ہی دور ہے جیسے زمین سے آسمان۔ یہاں تک کہ یہ میرے وقت کے دوسرے طریقہ پر تعلیم حاصل کیے ہوئے معالجوں کے دماغ میں نہیں سما سکتی تا وقتیکہ اس تعلیم کی امداد کے لیے مثال و تجربہ پیش نظر نہ ہو۔

اپنے معاصرین میں اس مقصد کی تکمیل کے لیے اور عینی شہادت سے ان کو یہ دکھانے کے لیے کہ اس تعلیم کی صداقت ایک ناقابل تردید حقیقت پر مبنی ہے اور یہ کہ ہومیوپیتھک طریقہ علاج اگرچہ نیا ہے تاہم تمام انسانی علاج کے علاجوں میں قابل قبول' سب سے زیادہ با اصول' سب سے یقینی' سب سے سادہ اور سب سے زیادہ مفید ہے۔ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ یہاں لیپزگ میں اپریل کے آغاز میں تعلیم یافتہ معالجوں کے لیے ایک ادارہ کھول دوں۔

اس ادراہ میں میں ہر لحاظ سے آرگینن (کلیات ہومیوپیتھی) کے مطابق ہومیوپیتھک طریقہ علاج کی تعلیم دوں گا اور اپنے شاگرد معالجوں کی موجودگی میں عملی طور پر مریضوں کا علاج مندرجہ بالا طریقے سے کروں گا۔ اور اس طرح اپنے شاگردوں کو اس قابل بنا دوں گا کہ وہ خود تمام مریضوں کا علاج اپنے اپنے مطب میں اس نئے طریقہ سے کر سکیں۔

ہومیوپیتھک قانون شفا کے اصول سیکھنے کے لیے ایک ذہین شخص کے لیے چھ ماہ کا نصاب کافی ہوگا۔ لیکن یہ عرصہ ان لوگوں کے لیے کافی ہے جنہیں ضروری تمام طبی تعلیم پہلے حاصل ہو۔"

ہانمن کے اس اشتہار کا کیا اثر ہوا جو اس نے طبی ادارہ کے متعلق دیا تھا جہاں وہ تعلیم یافتہ معالجوں کو ہومیوپیتھی کی تعلیم دینا چاہتا تھا؟ کچھ اثر نہ ہوا۔ کسی ایک معالج نے بھی اپنا داخلہ کرانا نہیں چاہا۔ فارغ التحصیل معالجوں کی توجہ مبذول کرانے میں ناکام رہ کر ہانمن نے اب یہ دیکھنا چاہا کہ وہ طبی دنیا کو بھی اپنی طرف کھینچ سکتا ہے یا نہیں؟ اس نے لیپزگ یونیورسٹی کے منتظمین سے پوچھا کہ کیا وہ یونیورسٹی کے طلباء کے سامنے لیکچر دے سکتا ہے؟ لیکن اس کو بتایا گیا کہ وہ ایسا نہیں کر سکتا تا وقتیکہ وہ حلقہ اساتذہ و طلباء طب کے رو برو کوئی مقالہ پڑھ کر نہ سنائے۔ چنانچہ ۲۶ جون ۱۸۱۲ء کو اس نے ایک فاضلانہ مقالہ پڑھا

جو آٹھ زبانوں کی مختلف اوقات کی طبی کتب سے ماخوذ تھا اور علم و فضل اور تحقیق و تفتیش کا ایک عجوبہ تھا جس نے نکتہ چین سامعین کے ہوش و ہواس غائب کر دیے اور خود صدر مجلس نے اعلانیہ مبارک باد دی۔

اس طور پر آخر کار ۱۸۱۲ء کے سرما میں لیکچر شروع ہونے اور ۱۸۲۱ء تک (کہ اس سال جیسا کہ بعد میں بتایا جائے گا ہانمن کو لیپزگ کو خدا حافظ کہنا پڑا) یہ سلسلہ جاری رہا۔ یہ لیکچر ہفتہ میں دو مرتبہ بدھ اور ہفتہ کو سہ پہر دو بجے سے تین بجے تک دیے جاتے تھے۔ اول اول لیکچر کا کمرہ سامعین سے بھرا رہتا تھا۔ تجسس بہت سے لوگوں کو بدعتی اقوال و عقائد سننے پر مجبور کرتا تھا لیکن جوں جوں وقت گزرتا گیا سامعین کی تعداد کم ہوتی گئی۔ صداقت سے ہانمن کی محبت اور منافقت سے نفرت نے پیشہ ور معالجوں کو اس سے دور ہٹا دیا البتہ چند سرگرم طلباء اس سے وابستہ رہے اور یوں یہ طلباء بعد میں بہت مدد گار ثابت ہوئے کیونکہ ان پر اس نے دواؤں کے تجربات کیے۔ یہ کام مشقت طلب تھا اور بعض اوقات خطرناک بھی لیکن وہ لوگ یہ سب سرد و گرم برداشت کرنے کے لیے اس کے شامل حال رہے اور اس طرح وہ آئندہ اپنے میٹریا میڈیکا پیورا کی جلدیں شائع کراتا رہا جن میں سے پہلی جلد ۱۸۱۱ء میں شائع ہوئی، دوسری ۱۸۱۶ء میں، تیسری ۱۸۱۷ء میں، چوتھی ۱۸۱۸ء میں، پانچویں ۱۸۱۹ء میں اور چھٹی اور آخری جلد ۱۸۲۱ء میں۔

کوئی شخص جس نے ان کتابوں کا مطالعہ نہیں کیا وہ ان کی قدر و اہمیت کا صحیح اندازہ نہیں لگا سکتا۔ دراصل یہ کتابیں علم ہومیوپیتھی کی بیش بہا تصانیف ہیں لیکن کوئی چیز انسان کو اتنا اندھا نہیں بناتی جتنا کہ تعصب۔ ڈاکٹر فرانز ہارٹ مین جو اس بہادر جماعت کا سب سے بڑا وفادار آدمی تھا اس کا مندرجہ ذیل بیان ظاہر کرتا ہے کہ ان بے چاروں کو اپنے عملی بھائیوں کے ہاتھوں کیا کچھ تکلیف برداشت پڑتی تھی۔

"طلباء کی طرف سے دائمی مذاق اور طعنہ زنی، اکثر پروفیسروں کی طرف سے قہر آلود نگاہیں، ہر شخص کی یہ خواہش کہ ہم سے ترک تعلق کیا جائے جیسے ہم کسی وبائی مرض میں مبتلا ہوں۔ ان تمام باتوں نے میرا قیام لیپزگ میں تکلیف دہ بنا دیا۔ مجھے اچھی طرح یاد رہے گا کہ میرے رفیق ہارن برگ کو اس کے آخری امتحان میں پروفیسروں نے کیسا پریشان کیا تھا۔ وہ فیل ہونے سے بال بال بچا جب

کہ وہ کند ذہن اور ٹھوس دماغ طلباء بہت اچھے نمبروں میں پاس کیے گئے جو ہارن برگ کے بوٹ صاف کرنے کے قابل بھی نہ تھے اور اب وہ اپنا مطب خوب اچھی طرح چلا رہے ہیں۔ تنگ دماغ لیکن کامیاب معالج"۔

امتحان میں بھی تعصب و عقوبت - اور یہ سب کچھ اس لیے کہ طلباء ہانمن کے ارشادات سنتے اور اس کی بیش بہا علمی تحقیقوں میں اس کا ہاتھ بٹانے کی جرات کرتے تھے۔

ہانمن اور اس کے شاگردوں کو جو عقوبت اور اذیت نئے اصول علاج کی بناء پر دی گئی اس کے متعلق ہارٹ مین کا بیان ہے کہ اکثر حالات میں تعلیم و تہذیب جس کے متعلق انسان شیخی مارا کرتا ہے انسان کو کچھ فائدہ نہیں پہنچاتی۔ مندرجہ ذیل اقتباس اس حقیقت پر کافی روشنی ڈالتا ہے :۔

"سب لوگوں نے بیخ کنی کی جنگ میں شرکت کی اور وہ لوگ سب سے زیادہ حقارت آمیز اور نفرت انگیز ہتھیار استعمال کرتے ہوئے بھی نہیں شرماتے تھے۔ یہ بات آسانی سے سمجھ میں آ سکتی ہے کہ ہانمن کی تعلیم قدیم دستور العلاج کے معالجوں کے جسم کے لیے ایک خار ثابت ہونے والی تھی کیونکہ اس تعلیم کا اثر ان کے مالی معاملات پر نمایاں طور پر پڑتا تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ یہ تعلیم جو ابھی اپنے بچپن ہی میں تھی بہت سے لا علاج امراض میں پرانے دستور العلاج پر اپنی برتری ظاہر کر چکی تھی۔"

پس یہ تھی وجہ تصادم لیکن عقوبت و صعوبت کے معمولی طریقے ہومیوپیتھی کی بیخ کنی کرنے میں ناکام رہے اور ایک نیا ہتھیار جلد ہی تیار کیا گیا۔ قانون کو حرکت دی گئی۔ دسمبر ۱۸۱۹ء میں لیپزگ کے دوا سازوں نے شہر کی عدالت سے شکایت کی کہ ہانمن اپنے طریق دوا سازی سے ان کے حقوق کو پامال کر رہا ہے۔ فروری ۱۸۲۰ء میں وہ الزام کی جواب دہی کے لیے عدالت کے رو برو پیش ہوا۔ اس نے اپنے بیان میں ظاہر کیا کہ قدیم دوا ساز دواؤں کو مرکب کر کے نسخہ تیار کرتے ہیں مگر ہومیوپیتھ صرف ایک دوا کو اتنی قلیل مقدار میں استعمال کرتے ہیں کہ وہ دوا سازوں کے خیال میں بھی نہیں آ سکتی نیز اس کا طریق دوا سازی اس طرح ایک ضرورت کو پورا کرتا ہے اور قانون کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ لیکن

یہ سارا بیان بے سود ثابت ہوا اور اس کو تنبیہ کی گئی کہ آئندہ ہر نسخہ کی بناء پر ہانمن کو بیس روپیہ جرمانہ کیا جائے گا۔

لیکن اسی سال آسٹرین فلیڈ مارشل وان اسکوارٹ زن برگ جو نپولین کے خلاف اتحادی فوجوں کا ایک فاتح جرنیل رہ چکا تھا ہانمن سے علاج کراتا رہا اس طرح اس جرمانہ کی سزا کا التوا ہو گیا لیکن جرنیل کا مرض لا علاج تھا اس کو آغاز علاج میں کچھ فائدہ تو ہوا لیکن چھ ماہ بعد وہ مر گیا۔ اس کی موت سے کچھ عرصہ پیشتر ایلوپیتھ حضرات نے ہانمن کے علم کا تمسخر اڑایا اور کہا کہ ہانمن نے اس کے مرض کا درست ملاحظہ نہیں کیا۔ طرفہ تماشہ یہ کہ موت ہانمن سے منسوب کی اور تعذیر و تعذیب از سر نو دو چند سختی کے ساتھ اس پر شروع کر دی گئی۔ یہاں ہارٹ مین کا بیان ایک مرتبہ پھر اس حقیقت پر اس طرح روشنی ڈالتا ہے۔

"اس مخالفت میں ڈاکٹر کلارس جو اس وقت ایک پروفیسر تھا' نہایت مستعد اور چست تھا' اس کے شہ دینے' اکسانے اور ابھارنے کا بھی یہ اثر ہوا کہ یونیورسٹی کی عدالت کی جانب سے ہارن برگ اور فرانز کے مکانوں سے ہومیوپیتھک دوائیں لا کر سینٹ پال کے گرجا کے صحن میں جلا دی گئیں۔ ازمنہ تاریک کی یہ ایسی کاروائی ہے جس کے لیے بہ مشکل کوئی معافی دی جا سکتی ہے۔"

پس کوئی تعجب کی بات نہیں کہ ہانمن کو لیپزگ کو خدا حافظ کہنا پڑا۔

اگر تمسخر ہومیوپیتھی کا کام تمام نہ کرے تو قانون کی مدد لو۔ اگر قانون بھی اس کا (ہومیوپیتھی) کا خاتمہ نہ کرے تو زور اور قوت سے کام لو۔ لیپزگ کے بہت سے ہر دلعزیز ڈاکٹروں اور دوا سازوں نے یہی رویہ اختیار کیا اور پولیس کی مدد لے کر ہانمن کو زور و قوت سے شہر بدر کر دینا چاہا لیکن شہر کی کونسل ہانمن کی طرفدار تھی اور یہ تجویز مسترد کر دی گئی۔

اس کے بعد جلد ہی ۱۸۲۱ء کے موسم بہار میں گرانڈ ڈیوک فریڈرک آف این ہالٹ کوتھن کی طرف سے ہانمن کو دعوت نامہ آیا جس سے اس کو تسکین ہوئی۔ ڈیوک نے اس کو اپنا ذاتی معالج بننے کی دعوت دی اور ساتھ ہی اجازت دے دی کہ وہ (ہانمن) اس کی ریاست کی حدود میں اپنے طریق پر طبابت کرے۔ ڈیوک عدل و انصاف کا دلدادہ تھا اور

زیادہ قابل ذکر بات یہ ہے کہ اس نے اور اس کے عملہ کے ایک رکن نے پہلے سے ہی نئے طریق علاج کے فوائد دیکھ لیے تھے۔ ڈاکٹر شونیک کا بیان ہے :-

"ڈیوک کے حاجب خصوصی Chief Chamberlain وان اسٹریک ہی نے ڈیوک کی توجہ ہانمن کی طرف مبذول کرائی۔ وان اسٹریک ایک مزمن پیچیدہ مرض میں مبتلا تھا اور ایلوپیتھک علاج کرتے کرتے جب عاجز آگیا تو اس نے ہومیوپیتھی کی پناہ تلاش کی اور اس نئے طریق علاج سے وہ اچھا بھی ہو گیا پس اس نے ڈیوک کو جو ایک کہنہ مریض تھا ترغیب دی کہ ہانمن سے مشورہ کرے اور نئے طریق علاج کو آزمائے۔ یہ آزمائش توقع سے بڑھ کر مفید ثابت ہوئی اور اس آزمائش نے ڈیوک کے دل پر ایسا اثر کیا کہ وہ ہومیوپیتھی کا طرفدار ہو گیا۔ پس وان اسٹریک کے سمجھانے پر ہانمن نے ڈیوک سے کوتھن میں رہنے کی اجازت چاہی جو فوراً اس کو دی گئی۔"

پس ظاہر ہے کہ ہومیوپیتھی جو ہانمن کے لیپزگ چھوڑنے کا باعث ہوئی اسی ہومیوپیتھی نے اس کے لیے کوتھن میں بود و باش کا سامان مہیا کر دیا۔ وہ مئی ۱۸۲۱ء میں اپنے نئے مسکن میں چلا گیا اور وہاں ۱۸۳۵ء تک ایک خاموش، پر سکون مگر پر مشقت زندگی بسر کرتا رہا۔ مئی ۱۸۲۲ء میں وہ ڈیوک کی عدالت کا رکن شوریٰ بنا دیا گیا۔
اس پر امن مقام پر ہی اس نے اپنی دوسری مشہور کتاب "امراض مزمنہ" Chronic Diseases لکھی جس میں پرانے مرضوں کی ماہیت اور ان کا ہومیوپیتھک علاج بتایا گیا تھا۔ یہ کتاب چار جلدوں پر مشتمل تھی جن میں سے پہلی تین جلدیں ۱۸۲۸ء میں شائع ہوئی اور آخری جلد ۱۸۳۰ء میں۔اس کتاب میں امراض مزمنہ کے متعلق اس نے اپنا نظریہ بتایا۔ نظریہ جس نے اس کے معاصروں کو چونکا دیا اور مزید مخالفت پیدا کر دی۔ تمام مزمن امراض کا 7/8 حصہ اس نے "سورا" Psora یعنی جلد پر نکلے ہوئے دانوں کا دبا دیا جانا سے منسوب کیا۔ سورا جو اس کے بیان کے مطابق سب سے قدیم، سب سے عالمگیر، سب سے مہلک اور تاہم وہ سب سے کم معلوم مزمن مرض ہے جو ہزاروں سال سے اقوام کو بگاڑ اور تباہ کر رہا ہے، جب کہ آٹھویں حصہ کا باعث اس نے سوزاک اور آتشک یاسوزاک اور آتشک کے مختلف الخواص مادوں کا اتصال یا ان تینوں مرضوں کی متحدہ کاروائی قرار دی۔

اس نے بیرونی بیماریوں کے خالص مقامی علاج کے خطرات پر زور دیا اور یہ بتایا کہ اس قسم کا مقامی علاج بظاہر تکلیف کم کر دیتا ہے لیکن در حقیقت تکلیف کو مستقل اور دیرپا بنانے میں مدد دیتا ہے اور اس نے بیان کیا کہ "سورا" کی موزوں فاد زہر دوائیں کیسا دیرپا افاقہ دیتی ہیں۔ جو کچھ کسی کی سمجھ میں نہ آئے اس کی مخالفت اور مذاق اڑانا آسان ہے اور ہانمن اچھی طرح جانتا تھا کہ اپنے معاصروں سے اپنی اس تصنیف کے لیے بس ایسی ہی قبولیت کی توقع ہو سکتی تھی۔ یہ تصنیف جو کہ کلیات ہومیوپیتھی (آرگینن) کی طرح سالہا سال کے عمیق مشاہدہ، وسیع تحقیق اور سخت غور و خوض کا ماحاصل تھی لیکن یہ امر تسکین دہ ہے کہ اصطلاحات علمیہ اور اسلوب بیان سے قطع نظر جدید سائنٹفک تحقیق و تفتیش نے اس بناء کو صحیح ثابت کیا ہے جو اس نے قائم کی تھی۔ سورا کا اصول اس طور پر ہانمن کے دریافت کردہ قانون شفا کی شاندار عمارت کا ایک خاص پتھر ہے۔ عمارت جس کی یقینی بنیاد قانون مشابہت ہے۔

ہانمن کی قدر افزائی

کوتھن میں ہانمن کی زندگی کے چودہ سال نہ صرف ان ادبی کارناموں کی وجہ سے قابل یادگار ہیں جن کا ذکر کیا جا چکا ہے بلکہ بہت سے دوسرے اہم واقعات کے لحاظ سے بھی۔ ان میں سے پہلا واقعہ دس اگست ۱۸۲۹ء کو ہوا۔ یہ دن اس کی ڈاکٹری کی ڈگری کی طلائی جوبلی کا دن تھا۔ اس کے شاگردوں، دوستوں اور مداحوں نے یہ تقریب مناسب طریقہ سے منائی۔ ہانمن کے سر پر ایک تیل ملا گیا۔ ایک نیم مجسمہ خوبصورتی سے تیار کیا گیا۔ اس کے چند مضامین کا مجموعہ چھاپ کر پیش کیا گیا۔ ارلیجن کی طبی جامعہ کی طرف سے ایک تہنیت نامہ منظر عام پر لایا گیا۔ اس کے کار ہائے نمایاں کی تعریف میں ایک نظم اور ایک لاطینی خطبہ پڑھا گیا۔ اظہار شکرگزاری کے طور پر بہت سے تحائف پیش کیے گئے۔ دنیا کے مختلف حصوں سے آئے ہوئے تعریفی خطوط پڑھے گئے۔ ایک شاندار ضیافت دی گئی اور سب سے آخر میں علم ہومیوپیتھی کی ترویج و ترقی کے لیے ایک جماعت بنائی گئی جس کا نام "دی سنٹرل ہومیوپیتھک یونین آف جرمنی" رکھا گیا۔ ہانمن جس کی زندگی ایک مدت سے مخالفتوں اور مذمتوں سے تلخ ہو رہی تھی قدر دانی و عزت افزائی کے اس بلا جبر و اکراہ اظہار

سے صریحاً بہت متاثر ہوا اور لطیف شرم و حجاب کے ساتھ پروردگار عالم اور اپنے دوستوں کا شکریہ ادا کیا۔ اس خوش گوار اور سعید روز ہانمن کو جو خطوط موصول ہوئے ان میں سے ایک مکتوب حکمران ڈیوک آف این ہالٹ کوتھن کا تھا۔ یہ مکتوب جس کو ہم یہاں قصداً و عمداً اس لیے نقل کرتے ہیں کہ حکومت وقت کے ارباب بست و کشاد جو ہومیوپیتھی سے نہایت بے اعتنائی سے پیش آ رہے ہیں وہ اسے پڑھ کر عبرت حاصل کریں۔

پیارے ڈاکٹر

میں نہایت خوشی سے آپ کو آپ کی کامیاب پریکٹس کی پچاسویں سالگرہ پر مبارکباد دیتا ہوں۔ آپ نے علم ہومیوپیتھی کی جو اب دنیا کے تمام حصوں میں پھیل چکا ہے دریافت کر کے اور بنیاد رکھ کر نوع انسان کی ایسی بیش بہا خدمت انجام دی ہے کہ میں بخوشی اپنے آپ کو ان مداحوں کی جماعت میں شامل کرنا چاہتا ہوں جو آج آپ کو اپنی شکر گزاری کا خراج پیش کرنے کے لیے جمع ہوئے ہیں۔

آپ کا حکمران ہونے کی حیثیت سے میں اپنا یہ فرض سمجھتا ہوں کہ آپ کی ان پیشہ ورانہ محنتوں کا اعتراف و اقرار کروں جن کے ذریعے آپ نے میری اور میرے ملک کی اس قدر زیادہ خدمت کی ہے۔

آپ کا وفادار دوست
ڈیوک فرڈی ننڈ

ہانمن کی اس خوشی اور کامیابی پر قسمت ابھی بمشکل مسکرائی ہی ہوگی کہ اس پر ایک صدمہ عظیم نازل ہو گیا یعنی اس کی بیوی جو اس کی اور ان کے گیارہ بچوں کی خبر گیری، عدیم المثال احتیاط اور جاں نثاری و وفاداری سے کرتی تھی، بد ترین وقتوں میں گھر کا انتظام و انصرام، صبر و استقلال اور زیرکی و مصلحت اندیشی سے انجام دیتی اور ہانمن کو اس کار عظیم جاری رکھنے کے لیے ساری پریشانیوں اور الجھنوں سے نجات اور آزادی دینے کے لیے اپنی انتہائی کوشش کرتی رہتی تھی ۳۱ مارچ ۱۸۳۰ء کو اس جہان فانی سے رخصت ہو گئی جب کہ ہانمن خود پچھتر برس کا تھا اور وہ سڑسٹھ سال کی تھی لیکن ہانمن ایک فلاسفر تھا چنانچہ اس بارے میں اسٹیپف کو اس کے ایک خط میں ہم یہ سطور دیکھتے ہیں :۔

"ان لمحوں میں جو کہ ہم اپنی مصروف زندگیوں میں سے بچا سکتے ہیں ہمیں لگاتار اس

ہستی اعظم کا بصدق دل اور طیب خاطر شکریہ ادا کرنا چاہیے جس کی جانب سے ساری برکتیں اور رحمتیں بہتی ہیں۔ اگرچہ ساری ابدیت میں بھی ہم اس کی نعمتوں کا بہت زیادہ شکریہ ادا نہیں کر سکتے۔ اگر (ا) .... مجھ سے ملنے آئے تو امید ہے کہ تم بھی اس کے ہمراہ آؤ گے۔ تم مجھے حسب معمول اپنے خدا داد فلسفہ کے فرغل میں لپٹا پاؤ گے۔"

ہانمن اس جدائی میں خاموش اور پرسکون تھا اور ایک تارک دنیا کی طرح گوشہ نشین۔ اس کی لڑکیوں نے گھر کے انتظام کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لی اور وہ حسب دستور اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔

کوتھن میں ہانمن کی زندگی کا تیسرا اہم واقعہ وبائی ہیضہ کی لہراتی ہوئی موجوں سے متعلق ہے۔ وبا نے روس' آسٹریا' ہنگری میں خوب تباہی پھیلائی تھی اور ۱۸۳۱ء میں پروشیا کی حدود میں داخل ہو گئی۔ ہانمن جس نے اب تک ہیضہ کا ایک مریض بھی نہیں دیکھا تھا اچھی طرح خطرہ کو بھانپ گیا بالاخر مرض کی علامات دریافت کیں اور چار پمفلٹ تیار کیے جن میں ہیضہ کے اچھا کرنے کے طریقے بیان کیے گئے۔ یہ طریقہ کیا تھا؟ صرف پانچ دوائیں یعنی آغاز مرض میں کیمفر اور مرض کے ترقی پا جانے پر کیوپرم' وریٹرم ایلبم' برائی اونیا اور رہس ٹاکس اپنی اپنی علامات کے مطابق۔ یہ قابل قدر علاج جو آج تک ہیضہ میں نہایت مفید ثابت ہو رہا ہے اہل پیشہ اصحاب نے ٹھکرا کر حسب معمول اس کی سخت مخالفت کی۔ یہ حضرات خون بہانے' دست لانے اور قے کرانے کے اپنے ہی طریقوں کو ترجیح دیتے تھے۔ یہ طریقے جو تکلیف میں بجائے کمی کرنے کے اور زیادتی کر دیتے تھے۔ یہاں تک تعصب روا رکھا گیا کہ پمفلٹوں کی اشاعت بھی مشکل کر دی گئی لیکن ان سب رکاوٹوں اور دشواروں کے باوجود وہ اشاعت پذیر ہوئے اور وسیع پیمانہ پر تقسیم کیے جاتے رہے اور ہزاروں قیمتی جانوں کے بچانے کا ذریعہ اور وسیلہ بنے۔

چوتھا اہم واقعہ ۲۲ جنوری ۱۸۳۳ء کو لیپزگ میں ایک ہومیوپیتھک ہسپتال کھولنا تھا۔ ہسپتال میں دوا خانہ' کتب خانہ اور کئی دوسرے شعبوں کے علاوہ چوبیس بستروں کی گنجائش تھی۔ ہومیوپیتھی پر لیکچر بھی ہسپتال کے ارباب بست و کشاد کی زیر نگرانی ہوتے تھے۔ یہ خاکہ اور یہ اختراع ہانمن کے دل کو نہایت عزیز تھی لیکن اس کے افتتاح سے پہلے

ہی اس کو کچھ شک و شبہ اور خطرہ و اندیشہ تھا۔ اس کو یہ دھڑکا لگا ہوا تھا کہ یہ ادارہ "نیم ہومیوپیتھس" کے ہاتھ میں پڑ جائے گا جو ہومیوپیتھی کی تبلیغ یا پراپیگنڈہ کرنے کی بجائے اس کو ذلیل و رسوا کریں گے۔ بہت سے انقلابات و تغیرات کے باوجود ادارہ جون ۱۸۴۱ء تک جاری رہا جب کہ روپیہ کی کمی اور اس کے ساتھ عام بے حسی و مردہ دلی کے سبب وہ لا محالہ ایک دوا خانہ میں تبدیل کر دیا گیا۔

کوتھن کا آخری اہم واقعہ ہے کہ ۲۸ جنوری ۱۸۳۵ء کو ہانمن کی شادی ایک فرانسیسی خاتون سے ایسے وقت میں ہوئی جب وہ خود اسی سال کا تھا اور وہ پینتیس سال کی تھی۔ وہ ایک باہنر و کمال، با اثر و رسوخ، بہت سے علوم و فنون پر حاوی عورت تھی۔ وہ ہانمن کے اصول علاج سے بہت متاثر ہوئی اور اس کے پاس علاج کی غرض سے گئی۔ بوڑھے آدمی نے ایک وصیت کے ذریعہ اپنی ملکیت کا بیشتر حصہ اپنے بچوں کو دے دیا اور خاتون مذکور سے شادی کر لی۔ ۱۴ جون ۱۸۳۵ء کو عروسی جوڑا کوتھن سے پیرس روانہ ہو گیا جہاں ہانمن نے اپنی پر مشقت زندگی کی شام بسر کی۔

یہاں وہ شان و شوکت سے رہتے رہے اور اگرچہ ہانمن اپنی محنتوں سے دست بردار ہو جانا چاہتا تھا تاہم اس کی بیوی نے اپنے اثر و رسوخ سے کام لے کر اس وقت کے وزیر سے اس کو اپنے طریق علاج پر پریکٹس کرنے کی اجازت دلوا دی اور یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ پریکٹس فوراً وسیع و منفعت بخش ہو گئی۔ بیوی جو ایک لائق شاگرد تھی جلد ہی خود بھی ہومیوپیتھک معالج بن گئی، اکثر مریضوں کو دیکھنے اور ہانمن کو بہت سی کوفت سے بچانے لگی۔ فرانسیسی ہومیوپیتھک انجمن نے جو ۱۸۳۲ء میں قائم ہوئی تھی ہانمن کو اپنا صدر اعزازی منتخب کر کے اس کی عزت افزائی کی اور اس نے اپنے آخری سال خوش الحالی و فارغ البالی میں گزارے حتیٰ کہ ۲ جولائی ۱۸۴۳ء کو وہ اس جہان فانی سے زیر لب یہ کہتا ہوا رخصت ہو گیا کہ "میں بے فائدہ نہیں جیا ہوں"

پس ایک طویل اور شاندار دور اختتام پذیر ہوا۔ ہانمن اپنی موت کے وقت اٹھاسی سال سے اوپر تھا اور اس کی قابلیت و لیاقت آخری دم تک قائم رہی۔ پہلے چھیاسٹھ سال یا یہ کہنا چاہیے کہ اس کی عمر عزیز کا تین چوتھائی حصہ ہولناک غربت، دہشت انگیز جہالت اور تلخ تعصب کے ساتھ جنگ کرنے میں گزرا۔ صرف بائیس سال یعنی صرف چوتھائی حصہ نسبتاً آرام و سکون اور خوش حالی، فارغ البالی میں بسر ہوا۔

علم طب کی تاریخ کا مطالعہ کیجئے اور چھان بین کر کے دیکھئے کہ کیا ہانمن کا کوئی ہمسر کہیں ملتا ہے۔ جسم اور قد و قامت میں نہیں بلکہ دماغی استعداد، ان تھک محنت، علمی و ادبی ماحصل، عالمانہ تحقیق و تفتیش اور فلسفیانہ نظریہ میں، نہیں آپ ایک بھی نہیں پا سکتے۔ بہت سے لوگوں نے اسے برا بھلا کہا، لعن طعن کیا، سختی سے ملامت کی، اس کے دستور العلاج کا مضحکہ اڑایا اور آئندہ بھی بہت سے لوگ ایسا کریں گے لیکن وہ حضرات جنہوں نے خلوص اور دیانت سے اس کو (ہانمن کو) سمجھنے اور اس کے طریقہ علاج کو پرکھنے کی اجازت دی ہے وہ اس کے مسلک میں شامل ہو گئے ہیں۔ باقی اصحاب نے اپنی جہالت اور تعصب کے ہاتھوں نقصان اٹھایا ہے۔ وہ جہالت زدہ اور متعصب لوگ اس دیو کے مقابلہ میں محض بالشتیے ہیں۔

کرمک شب تاب لیکن ماہ بن سکتے نہیں
یہ کسی کے بھی چراغ راہ بن سکتے نہیں

ابوالاثر حفیظ جالندہری

اگر ہمارا یہ بیان مبالغہ پر مبنی سمجھا جائے تو ہانمن کے کارناموں اور سرگرمیوں کے متعلق مختصر حال ذیل میں پڑھ لیجئے:۔

اس کی قابلیت و لیاقت کا ادنیٰ کرشمہ یہ تھا کہ وہ علم طب، علم کیمیا، علم طبعیات، علم کان کنی، علم نباتات، علم ہیئت، علم جغرافیہ، علم مسمریزم کا ماہر (اور کون سا علم تھا جس کا وہ ماہر نہ تھا) ہونے کے علاوہ گیارہ مختلف زبانوں اور علم اللسان کا عالم تھا۔ اس کی ان تھک محنت کی شہادت نہ صرف اس کے وسیع ادبی ماحصل اور قابل قدر علمی تحقیق و تفتیش (جس کے متعلق ابھی بتایا جائے گا) میں ملتی ہے بلکہ اس کے طریق دوا سازی، کثیر خط و کتابت اور رجسٹر مشورہ میں بھی جن کے متعلق کم از کم چھتیس طویل و عریض جلدیں جن میں سے ہر ایک پانچ سو صفحات پر مشتمل ہے پائی گئی ہیں۔ صرف علمی و ادبی ماحصل چورانوے تصانیف (بڑی اور چھوٹی) پر مشتمل ہے۔ اور تیئس کتابوں کے ترجمے مختلف زبانوں سے کئے گئے۔ کل مجموعہ ایک سو سترہ ہے جن میں سے چند کتب کئی کئی جلدوں میں ہیں۔ اس کی علمی تحقیق و تفتیش میں دوسری قابل قدر چیزوں کے علاوہ سو دواؤں کے تجربات شامل ہیں جو اس نے اپنی اور اپنے جان نثار شاگردوں کی جان جوکھوں میں ڈال کر

بڑی محنت سے حاصل کیے۔ نیز اس نے ہومیوپیتھی کا بنیادی اصول یعنی قانون مشابہت، سورا کا اصول جو تمام بیماریوں کی جڑ ہے اور دوا کو کم از کم مقدار میں استعمال کرنے کی خوبیاں معلوم کر کے دنیائے طب اور بنی نوع انسان پر احسان عظیم فرمایا اور سب سے آخر میں اس کے فلسفیانہ نظریہ کا بھی کچھ ذکر ہونا چاہیے۔ خداوند کریم و رحیم، خالق، حاضر و ناظر پر اس کا پختہ ایمان، اپنے ہم جنسوں سے اس کی محبت، اپنے ضمیر کی آواز پر اس کا تامل اور پس و پیش جس نے اس کو پریکٹس کے آغاز میں مطب بند کرنے پر مجبور کیا۔ جب کہ اس کو معلوم ہوا کہ یہ (پریکٹس) مریضوں کے دکھ درد کو گھٹانے کی بجائے الٹا بڑھاتی ہے۔ دیوانوں کے علاج میں اس کا نرم، شریفانہ و حلیمانہ رویہ جس کی اس نے تلقین کی، اس کا بے حد ضبط، استقلال اور استقامت جس سے اس نے غربت کے بظاہر ختم نہ ہونے والے تھپیڑے برداشت کیے اور سب سے آخر میں اعتدال، خلوص اور سادگی کی زندگی جو کہ وہ بسر کرتا رہا اور جس کی اس نے تعلیم دی۔ درحقیقت اس کی تحریروں میں ایسے ایسے ٹکڑے ملتے ہیں جو ولیوں اور برگزیدہ ہستیوں کی سوانح عمریوں کے صفحات معلوم ہوتے ہیں۔

ہانمن اعظم تھا، ایک منطقی اور فلسفی، ایک بے نظیر مفکر، ایک ان تھک کام کرنے والا دنیائے طب میں سب سے بڑا مصلح اور جین پال کے الفاظ میں "علم اور فلسفہ کا دوسروں والا ایک عجیب الخلقت انسان"۔ ایک بہادر اور جان باز آدمی جس کی شریفانہ مثال نوع انسانی کی نسلوں کو جرات و ہمت کا سبق دیتی ہیں اور دیتی رہے گی۔ دنیا اس کی نظیر تلاش کرتی رہے گی بہرحال دنیا اس کو کبھی نہیں بھول سکے گی۔

اس عظیم الشان انسان کو اپنی عقیدت و الفت کا یہ عاجزانہ خراج پیش کرنے کے بعد اور اس مخلصانہ دعا کے ساتھ کہ اس کا پیغام دور و نزدیک پھلتا چلا جائے تاکہ روئے زمین پر مفلس ترین آبادی کو ارزاں، زود اثر اور موثر طبی علاج میسر آسکے ہم اپنا سلسلہ بیان ختم کر کے ایک بات عرض کرتے ہیں۔

ہانمن اور معالجات

ہانمن نے اپنی ساری زندگی کلیات ہومیوپیتھی، خواص الادویہ، ہومیوپیتھی اور

امراض مزمنہ کی حقیقت و اسباب کی تشریح میں گزاری کیونکہ اس کا خیال تھا کہ جو شخص ان مضمونوں کو اچھی طرح سمجھتا ہے وہی کامیاب معالج بن سکتا ہے اس لیے اس نے علاج معالجہ کے مضمون پر کوئی کتاب نہیں لکھی کیونکہ اس کا مقصد بنیاد قائم کرنا تھا۔ ہومیوپیتھی میں مرض کا علاج نہیں بلکہ مریض کا علاج کیا جاتا ہے۔ کسی مرض کے لیے کوئی خاص دوا مقرر نہیں کی جا سکتی۔ اگر وہ علاج معالجہ کے متعلق کوئی کتاب لکھ جاتا تو بہت سے اصحاب ان ادویہ کا غلط استعمال کرتے اور مرض کا نام سن کر ہی دوا تجویز کر دیتے۔ ہماری رہنمائی کے لیے ہانمن کی زندگی میں ہمیں ایک واقعہ ملتا ہے جس کا ذکر یہاں بھی کیا جاتا ہے۔

ہانمن کے پاس ایک مریض لایا گیا' یہ مریض دوسرے تمام طریقہ ہائے علاج کر چکا تھا لیکن بجائے اچھا ہونے کے بیماری دن بدن بڑھتی ہی گئی چنانچہ جیسا کہ آج تک بھی اکثر حضرات کا قاعدہ یہ ہے کہ جب ہر طرف سے مایوسی ہو جاتی ہے تو پھر ہومیوپیتھک طبیب کو بلایا جاتا ہے' مریض کو ہانمن کے پاس علاج کے لیے لایا گیا۔ ہانمن نے بڑی دیر تک بغور مریض کی ہسٹری کا مطالعہ کیا اور آخر ایک پڑیا کھلا کر شفا کا فتوی دے دیا۔ دوا کا انتخاب چونکہ بالکل صحیح کیا گیا تھا اس لیے مریض شفایاب ہو گیا۔ تمام دشمن اور دوست حیران رہ گئے۔ ہانمن کے شاگردوں میں سے بعض کو یہ خیال ہوا کہ کسی طرح ہانمن سے اس دوا کا نام دریافت کرنا چاہیے لیکن باوجود ہزار منت و سماجت کے ہانمن نے دوا کا نام بتانے سے انکار کر دیا۔ ہانمن کی بیوی بڑی رحمدل عورت تھی ---- نے اس سے کسی طرح بتا دیا کہ دوا کا نام کیموملا تھا۔ جب ہانمن کو اس بات کا پتہ لگا تو وہ بیوی پر اتنا خفا ہوا کہ اس سے پہلے اتنا ناراض کبھی نہ ہوا تھا یہاں تک کہ وہ طلاق دینے کے لیے تیار ہو گیا۔ ہانمن نے کہا کہ تم نے دوا کا نام بتا کر تحقیقات کرنے کا ایک اچھا موقع کھو دیا۔ ہومیوپیتھی کے ہر طالب علم کو تمام حالات معلوم کرنے کے بعد تحقیقات کر کے خود دوا کا انتخاب کرنا چاہیے۔ کسی خاص مرض کے لیے کوئی ایک پیٹنٹ دوا مقرر کر دینا بالکل غلط ہے۔

انہی وجوہات کی بنا پر ہانمن نے اس مضمون پر کوئی کتاب نہیں لکھی۔ ڈاکٹر آر ای ڈجین نے ہانمن کی تمام تصانیف اور کاغذات کے ایک ایک صفحہ کی چھان بین کی اور ہزار کوشش کے بعد ۵۴ صفحات کی ایک کتاب ریپرٹری کی شکل میں تیار کی ہے جسے کلکتہ کی ایک فرم نے شائع کیا ہے۔

تاریخ طب

فن علاج معالجہ کی تاریخ نہایت قدیم ہے۔ پرانے زمانہ میں جب فن طب کا رواج عام نہ تھا ذی ہوش لوگوں کو اکثر یہ احساس رہتا تھا کہ کس طرح بنی نوع انسان کو بیماری کے درد دکھ سے نجات دی جائے اور کس طرح اپنے ہم جنسوں کو تندرست رکھا جائے۔ اس طرح زمانہ قدیم میں جب کہ دیگر علوم و فنون کا عوام کو خیال بھی نہ تھا معالجات کا فن رائج تھا اور لوگ اس سے باخبر تھے۔

قدیم مصریوں کی تاریخی یادگاریں دیکھنے سے بھی یہ حقیقت بے نقاب ہوتی ہے کہ فن طب ۱۷۰۰ قبل مسیح تک خلق خدا کو فائدہ پہنچاتا رہا۔ اس وقت یہ مقدس فن پجاریوں اور پادریوں سے متعلق تھا کیونکہ ان لوگوں کے متعلق یہ روایت مشہور تھی کہ یہ بزرگ ہستیاں ہی قدرت کی طرف سے اس مشکل فن کو سمجھنے اور اس کو استعمال کرنے کے لیے مقرر ہوئی ہیں۔

یونانیوں میں اپالو کا بیٹا علاج کا دیوتا مقرر کیا گیا اور ایک عرصہ تک صرف وہ مندر ہی جو اس طبیب یا پجاری کے حلقہ میں شمار ہوتے تھے شفاخانوں کا کام دیتے رہے۔ دوا

تجویز کرنے کا طریقہ یہ تھا کہ ہر مریض خواب دیکھ کر اپنے خواب کا سارا حال پجاریوں کو سمجھاتا تھا اور وہ غور کر کے خواب کے مطابق دوا بتا دیتے تھے۔

۴۰۰ قبل مسیح میں فن معالجات علمی طور پر استعمال کیا گیا۔ اس وقت بقراط نے جو صحیح طور پر فن "طب کا باپ" کہلاتا ہے تندرست اور بیمار جسم کا بغور مشاہدہ کر کے علم طب کے ایسے بنیادی اصول قائم کیے جو اتنی صدیاں گزر جانے کے بعد آج بھی صحیح اور درست تسلیم کیے جاتے ہیں۔ اس نے معلوم کیا کہ خود انسان کے اندر ایک ایسی قدرتی طاقت پنہاں ہے جو بیماری پر غلبہ پا کر مریض کو صحت یاب کر دیتی ہے۔ اس نے کہا کہ معالج کا مقدس فرض ہے کہ وہ مریض کے ساتھ تعاون کرے۔ معالج کو مرض کا مطالعہ کرنا چاہیے، مرض کے اسباب تلاش کرنے چاہئیں، مدت مرض پر توجہ دینی چاہیے اور فطرت کے ساتھ مل کر دوا دریافت کرنی چاہیے۔ بقراط جانتا تھا کہ چند امراض ایسی دواؤں سے دور کیے جا سکتے ہیں جن کی علامات ان امراض سے ملتی جلتی ہیں مثلاً یہ کہ "کھانسی ایسی دوا سے اچھی کی جا سکتی ہے جو کھانسی پیدا کرتی ہے" تاہم وہ ہومیوپیتھی کے پورے اصولوں یعنی "مشابہ امراض کا علاج مشابہ دواؤں سے کرو" سے باخبر نہ تھا کیونکہ اس نے دواؤں کے اثرات تندرست جسم پر کبھی نہیں آزمائے تھے۔ پس بقراط کے بعد آئندہ نسلوں نے یہ زریں اصول رفتہ رفتہ بھلا دیا حتیٰ کہ جالینوس نے اسے قطعی طور پر نظرانداز کر دیا۔

بقراط کے بعد جالینوس جو اناٹومی اور فزیالوجی کا مستثنیٰ طور پر عالم و فاضل تھا وہ ایک حیرت انگیز ناظم تھا مگر جھگڑالو اور جبر سے کام لینے والا شخص تھا۔ وہ ایک طبی درسگاہ کا رہنما بن گیا جو اٹھارویں صدی کے آخر تک بہت اثر و اقتدار رکھتی تھی۔ اگرچہ بقراط کے بہت سے اصولوں کی اس نے تائید کی اور اپنی تصانیف میں ان کی بحث کی تاہم وہ علاج بالضد کا حامی تھا اور اسی اصول پر دوائیں استعمال کرتا تھا، پس وہ (علاج بالضد) ایلوپیتھک طریق علاج کا بانی بن گیا۔ جالینوس کے اصول پر چلنے والے معالج کو مرض کے خلاف جنگ کر کے اس کو تباہ کرنا پڑتا ہے بالفاظ دیگر اسے فطرت کی مدد کرنے کی بجائے فطرت کو مغلوب کرنے کی کوشش کرنی پڑتی ہے۔ جالینوس کا کہنا ہے کہ "علم العلاج" معالج کو مرض پر غلبہ پانے کے قابل بناتا ہے۔ تجربات اور مشاہدات اس قول کے ماتحت رہنے چاہیے۔ اس کا بیان ہے کہ دوا پر معقولیت سے غور کرنا چاہیے، عملی طور پر اس کا تجزیہ کرنا غیر ضروری ہے۔" اس کی رائے میں استدلال کو واقعات پر حاوی رہنا چاہیے۔

عربی اطباء نے جالینوس کی تصانیف کا ترجمہ کر کے ان کی نشر و اشاعت کی اور چونکہ وہ تصانیف کسی حد تک ارسطو کے فلسفہ کے مطابق تھیں پس زمانہ وسطیٰ کے ماہرین طب نے شوق سے ان کا استقبال کیا اور ان کو ایک ممتاز درجہ دیا۔ جالینوس کی تعلیم کی غلامانہ ذہنیت کے ساتھ تائید کی گئی اور چند ذی ہوش آدمیوں کو جو اس تعلیم کی خامیوں اور برائیوں کو پہچانتے تھے (مثلاً پیرا سلیسس جو سولھویں صدی میں ہوا اور ہاروے جو ۱۵۷۸ء سے ۱۶۵۷ء تک زندہ رہا جس نے دوران خون کا حال دریافت کیا) طرح طرح کی اذیتیں دی گئیں اور احمق بھی ٹھہرایا گیا۔

چنانچہ اس زمانہ میں علاج بالضد ایسی قابل رحم حالت میں تھا کہ مشہور بود ہاوے نے (۱۶۶۸ء سے ۱۷۳۸ء تک) ایک مرتبہ علی الاعلان کہہ دیا کہ "اگر معالجوں کا وجود ہی نہ ہوتا تو نوع انسان کے لیے بہتر ہوتا۔"

انکشاف ہومیوپیتھی

اس وقت جب کہ علم طب کی یہ خستہ حالی چند دوربین اصحاب کی نظروں میں کھٹک رہی تھی ایک جرمن معالج ڈاکٹر کرسچن فریڈرک سیموئیل ہانمن نے جو علاقہ سیکسنی کے شہر میسن میں ۱۰ اپریل ۱۷۵۵ء کو پیدا ہوا اور پیرس میں ۲ جولائی ۱۸۴۳ء کو اس جہان فانی سے ملک جاودانی کو سدھارا دواؤں کا ہومیوپیتھک استعمال دریافت کیا۔

یہ ذہین انسان جو صحیح طور پر علم طب کا مصلح کہا جا سکتا ہے ایک غریب چینی کے برتن بنانے اور ان پر نقش و نگار کرنے والے کا بیٹا تھا۔ یہ ہونہار جب لڑکا ہی تھا تو اپنی محنت اور ذہانت کے لیے مشہور تھا اور بہت سی مشکلات اور رکاوٹوں کے باوجود گھر پر علم طب پڑھتا تھا۔ جس زمانہ میں وہ لیپزگ، وائنا اور ارلیجن میں تعلیم پاتا تھا تو اس کو غربت کی بہت سی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ چنانچہ فالتو وقت میں لڑکے پڑھا پڑھا کر اپنا گزر کرتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان مختلف شہروں کی رہائش میں اس کو انگریزی، فرانسیسی، اطالوی، یونانی، لاطینی اور عربی زبانیں جاننے کے باعث کافی شہرت حاصل ہو گئی۔

۱۷۹۹ء میں ارلیجن یونیورسٹی سے اس نے ڈاکٹری کی ڈگری حاصل کی اور ڈیساو کے اپوتھی کیری ہسیلر کی سوتیلی لڑکی کے ساتھ شادی کرنے کے بعد وہیں پریکٹس شروع کر

دی لیکن اس وقت کی طب کے نتائج دیکھ کر جلد ہی بد دل ہو گیا۔ اس نے جلابوں اور خون بہانے کے خطرات بھانپ لیے لیکن چونکہ اس طریقہ علاج کی بجائے کوئی اور طریقہ علاج نہ جانتا تھا اور با اصول اور دیانت دار انسان تھا لہٰذا اس نے اپنا مطب بند کر دیا اور دوا سازی کے تجربات شروع کر دیئے اور اس دوران میں اپنے خاندان کی پرورش کا سامان علم کیمیا کے متعلق کتابوں کے ترجمہ کرنے سے حاصل کرتا رہا۔ اپنے اس عمل سے جو اس کی شرافت اور دیانت داری ظاہر کرتا ہے اس کو غربت کی صعوبتیں بارہا برداشت کرنا پڑیں' چنانچہ اپنی لڑکی کو ایک خط میں وہ ان محرومیوں کا ذکر کرتا ہے جس میں وہ اور اس کا خاندان مبتلا تھے۔ تھوڑی سی پونجی جو اس نے ذاتی کوششوں سے جمع کی تھی آخری پائی تک خرچ ہو گئی اور خاندان کو فاقہ کشی سے بچانے کے لیے ایک دن اس کو زیورات' برتن اور کپڑے وغیرہ بھی بیچ دینا پڑے۔

بد قسمتی سے اس دور ہی میں اس پر ہومیوپیتھی کا انکشاف ہوا۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ اہم دریافتیں اور ایجادیں چھوٹی چھوٹی باتوں سے ظاہر ہوئیں۔ بالکل یہی معاملہ ہومیوپیتھی کی دریافت میں پیش آیا۔ ایک غیر اہم واقعہ علم طب کی اصلاح و تجدید میں انقلاب انگیز ثابت ہوا۔ جب وہ کولین کے میٹریا میڈیکا کا ترجمہ کر رہا تھا تو ہانمن کی توجہ اس پیراگراف کی طرف منعطف ہوئی جہاں پیرو کی چھال (چائنا) کے بخار کو توڑنے کی طاقت کا ذکر ہے اور اسے ترغیب ہوئی کہ دوا کے اثرات اپنے جسم پر آزمائے۔ جب تجربہ کیا گیا تو علامات اور احساسات بالکل نوبتی بخار کے سے ظاہر ہوئے۔ اس طرح ہانمن نے دوا اور مرض کے درمیان مخصوص تعلق جس کو اس نے بعد میں "مشابہت" کے نام سے موسوم کیا' دریافت کیا۔

ہانمن کا نظریہ جس کا اہل سائنس نے ایک عرصہ مذاق اڑایا کچھ مدت کے بعد اسی نظریہ کو کئی مشہور سائنسدانوں نے بالکل صحیح قرار پایا چنانچہ پروفیسر لیون اپنی ایک کتاب میں لکھتے ہیں "یہ واقعہ ہے کہ بہت سے کارکن (سب نہیں) جو پیرو کی چھال یا کونین کی فیکٹریوں میں چھال کا سفوف بنانے کے کام پر مامور ہوتے تھے بخار کے عجیب قسم کے حملوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں جو اکثر صورتوں میں نوبتی بخاروں سے مشابہ ہوتے ہیں۔ یہ حملے سردی لگ کر شروع ہوتے ہیں جن کے بعد تیز بخار ہو جاتا ہے' درد سر ہوتا ہے اور پھر دورہ بخار کم ہو کر اور پسینہ آ کر رفع ہو جاتا ہے" یہ مرض جس کو لاعلمی اور ناواقفیت کے سبب

کونین کا بخار کہا جاتا ہے اکثر تنہا ہوتا ہے یا دوا کے دیگر ثانوی اثرات کے ساتھ۔ پس ہانمن کا نظریہ جس کے متعلق اکثر اشتباہ کیا گیا ہے صحیح سمجھا جا سکتا ہے۔ اس طرح کونین ایسی علامات پیدا کر سکتی ہے جو ان علامات کے مشابہ ہو جن کو یہ اچھا کر سکتی ہے۔

یہ بظاہر چھوٹا سا تجربہ ہانمن کے لیے پیش خیمہ تھا ان بہت سے وسیع و اہم تجربات کا جو بعد میں اس نے خود اپنے اوپر اور دوسروں پر مختلف دواؤں سے کیے جن سے اس پر یہ حقیقت زیادہ اور زیادہ واضح ہوتی گئی کہ ہر ایک دوا مخصوص طور پر اس مرض سے متعلق ہے جس کو وہ اچھا کر سکتی ہے۔ اس طریقہ سے اکثر مریضوں کو اچھا کر کے جب اس کا حوصلہ بڑھا تو اس نے اپنا مطب از سر نو قائم کیا اور ۱۷۹۶ء میں اس کا ایک مضمون "دواؤں میں اچھا کرنے کی طاقت دریافت کرنے کی کوششیں" ہیوف لینڈ کے رسالہ "جرنل آف پریکٹیکل سکول آف میڈیسن" میں شائع ہوا۔ اس مشہور مضمون میں وہ تندرست جسم پر دوائیں آزمانے کا طریقہ بیان کرتا ہے اور یہ اصول پیش کرتا ہے کہ "مشابہت کا علاج مشابہت سے کیا جائے۔" یہ سال دراصل ہومیوپیتھی کی پیدائش کا سال ہے۔ لفظ ہومیوپیتھی یونانی زبان سے ماخوذ ہے جس کا مطلب ہے مشابہ حالت۔ ما بعد ہانمن ایک دلچسپ کتاب "اسقلابیوس کا توازن" The Weighing Of Aesculapius میں روایتی طبی درسگاہ کے نقصانات پر بحث کرتا ہے اور اپنی مشہور تصنیف آرگینن (کلیات ہومیوپیتھی) میں جو ۱۸۱۰ء میں شائع ہوئی بالاخر ہمیں ہومیوپیتھک علاج کے اصول، طریقہ علاج اور نتائج سمجھاتا ہے۔ ہمیں اس پر اظہار تعجب نہ کرنا چاہیے کہ ہانمن کے جدید نظریہ کی سخت مخالفت ہوئی۔ اس کی شخصیت پر شبہ کیا گیا اور نئے عقیدہ کی بنا پر اس کو گونا گوں اذیتیں پہنچائیں گئیں کیونکہ یہی حشر ان تمام رہنماؤں کا ہوا ہے جنہوں نے بڑھتے ہوئے تعصب کے خلاف آواز بلند کی۔ اس کے علاوہ دوا فروشوں کے سامنے اہم معاملہ درپیش تھا کہ دواؤں کی زیادہ مقدار استعمال نہ ہونے کے سبب ان کی تجارت معرض خطر میں ہوگی کیونکہ ہانمن اپنے نئے اصول کے ماتحت صرف ایک دوا اور وہ بھی نہایت قلیل مقدار میں استعمال کرنے کی تعلیم دیتا تھا لیکن چونکہ وہ اپنی دریافت کی صداقت پر پورا یقین رکھتا تھا وہ ان مخالفتوں سے بالکل شکستہ دل نہ ہوا اور ۱۸۱۲ء میں ہم اس کو لیپزگ میں پروفیسری کی ایک اسامی کے لیے کوشش کرتے ہوئے پاتے ہیں تاکہ نئی پود پر وہ اپنے خیالات ظاہر کر سکے۔ قبل اس کے کہ اس کے لیے پروفیسری کی جگہ منظور کی جائے اس کو ایک مقالہ لکھنا

اور علمائے طب کے سامنے پڑھ کر سنانا پڑا چنانچہ اس نے ایسا کیا اور فاضل سامعین اس کی علمیت اور مقالہ کی صفائی و صداقت پر اتنے متعجب ہوئے کہ اس کو علانیہ مبارک مباد دی گئی اور پروفیسر کی اسامی اس کے لیے منظور کی گئی۔ اس کے تمام لیکچر اچھی طرح سنے گئے، اگرچہ طلباء اس کے پاس پڑھنے کی بجائے پہلے پہلے تفریح کرنے، نقلیں اتارنے اور منہ چڑانے کے لیے آتے تھے۔ جب ہانمن اپنے لیکچر کے کمرہ میں داخل ہوتا تھا تو وہ سیدھا ہلکی رفتار سے جو اس کے لیے مخصوص تھی میز پر جاتا، بیٹھ جاتا، اپنی گھڑی میز پر رکھتا، کتاب کھولتا، وہ باب پڑھتا جو وہ سمجھانا چاہتا تھا اور پھر اپنا لیکچر شروع کر دیتا تھا۔ جب وہ اپنے عجیب انداز میں ہم عصر طب کی خرابیاں بیان کرنے لگتا تو وہ ہمیشہ پرجوش ہو جاتا، اس کا چہرہ سرخ اور اس کی آنکھیں غصہ سے چمک اٹھتی تھیں۔ اس کے سامعین جب ہنستے اور سی سی کی آواز سے ناپسندیدگی یا نفرت کا اظہار کرتے تو وہ ذرا بھی بد حواس نہ ہوتا تھا، وہ خاموشی سے انتظار کرتا حتیٰ کہ شور و غل سرد پڑ جاتا اور تب اپنا سلسلہ کلام پھر جاری کر دیتا۔ اسی طرح برابر وہ گیارہ سال ہفتہ میں دو بار لیکچر دیتا رہا۔ اپنے انتھک جوش، مکمل علم اور تیز فہمی و نکتہ رسی سے وہ بالاخر طلباء کی ایک خاصی تعداد اپنی طرف متوجہ کرنے میں کامیاب ہو گیا اور ان پر اس نے دواؤں کے تجربات کیے۔ ان طلباء کے نام ہومیوپیتھی میٹریا میڈیکا میں ہمیشہ زندہ رہیں گے۔

اس طرح سخت مخالفت کے باوجود اس کی تعلیم کا اثر اس زمانہ کے بہت سے معالجوں پر ہوا۔ لیپزگ میں ایک ہومیوپیتھک شفاخانہ تعمیر ہوا۔ ہانمن کا مطب روز بروز زیادہ کامیاب ہوتا گیا۔ اس کا نام جلد ہی ہر جگہ مشہور ہو گیا چنانچہ پہلے اس نے ڈیوک آف این ہالٹ کی توجہ اپنی طرف مبذول کر لی جس نے اس کو اپنے محل میں معمولی معالج کی جگہ پیش کی جو ہانمن نے ۱۸۲۱ء میں قبول کر لی۔ یہاں رہ کر اس کو بہت زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔ وہ لگاتار کام کرتا رہتا تھا، اپنے اصولوں کو ترقی دیتا اور ہر سمت سے بے شمار مریض اس سے مشورہ کرنے آتے تھے۔ ڈیوک کے کوتھن والے محل میں ہی اس نے اپنی عظیم الشان تصنیف "امراض مزمنہ" لکھی لیکن اب ہانمن اور اس کے چند پیرووں میں کچھ کشیدگی سی پیدا ہو گئی کیونکہ ہانمن اب دواؤں کی بلند طاقتوں کی تعلیم بھی دینے لگا اور اس مسئلہ میں چند پیرو اس کے متفق نہ ہوئے اور انہوں نے یہ اعتراض پیش کیا کہ "اب تک آپ صرف دواؤں کی ہلکی طاقتوں کے استعمال کی تعلیم دیتے رہے ہیں" تاہم ہانمن نے اپنا

یہ نظریہ بھی ایک بوڑھے آدمی کی ضد کے سہارے محفوظ رکھا۔

۱۸۳۵ء میں جب اس کی عمر اسی سال کے قریب تھی اس نے دوبارہ ایک فرانسیسی خاتون ملینی ڈی ہرولی گوہیر سے شادی کی اور اس کے بعد جلد ہی پیرس میں سکونت اختیار کی۔ یہاں بوڑھا آدمی پھر جوان ہو گیا' اس نے اس بڑے شہر کی تفریحی زندگی میں حصہ لینا شروع کیا اور اپنے باقی ماندہ چند سال خوشحالی کی حالت میں جو اب تک اسے کبھی نصیب نہیں ہوئی تھی بسر کیے۔ متمول و ممتاز مریض ہر طرف سے اس کے گرد آ کر جمع ہو گئے۔ اس کے اپنے بیان کے مطابق اس نے آٹھ سال کامل راحت و مسرت کی زندگی بسر کی۔ اس کی بیوی جو ہر طرح اس کی فرماں بردار و خدمت گزار تھی ہر طریقہ سے اس کی مدد کرتی تھی اور جب اس کی موت (جس کے متعلق وہ پیش گوئی کر چکا تھا) دو جولائی ۱۸۴۳ء کو واقع ہوئی تو وہ اس قدر پریشان حال اور بدحواس تھی کہ وہ اس کے دوست و احباب کو اطلاع دینا بھول گئی۔ پس اس مشہور و ممتاز آدمی کے جنازہ کے ساتھ صرف چند لوگ جا سکے۔

اس کی موت کے دو سال بعد مشہور ہومیوپیتھک معالج جاہر نے اس کے آخری لمحوں کے متعلق مندرجہ ذیل بیان دیا:۔

"ہاں عزیز دوستو ہمارا مقدس بوڑھا باپ ہانمن اپنی زندگی تمام کر چکا۔ وہ پھیپھڑوں کے فالج سے مرا۔ مرض کے آغاز میں اس نے اپنے دوستوں کو بتا دیا تھا کہ یہ اس کی آخری بیماری ہو گی کیونکہ اس کے جسم کا ڈھانچہ پرانا اور بوسیدہ ہو چکا تھا۔ آخری لمحہ تک اس کے الفاظ اس کے دماغ کی صفائی و سکون کو جس سے وہ موت کو نزدیک آتا ہوا محسوس کر رہا تھا ظاہر کرتے رہے چنانچہ جب بیوی نے ہانمن سے یہ کہا کاش کہ قدرت آپ کو تمام بیماریوں اور تکلیفوں سے مستثنیٰ قرار دے دے کیونکہ آپ نے دوسروں کی بیماریوں اور تکلیفوں کو کم کرنے کے لیے سب کچھ کیا ہے تو ہانمن نے جواب دیا کہ میں کیوں مستثنیٰ قرار دیا جاؤں؟ روئے زمین کے سارے آدمی ان قابلیتوں اور طاقتوں کے مطابق جو خدا نے ان کو عطا کی ہیں کام کرتے ہیں اور کم و بیش کے سوال کا فیصلہ صرف انسانی عدالت میں ہی کیا جا سکتا ہے۔ خدا کی نظر میں نہیں۔ قدرت کسی بات کے لیے میری ممنون نہیں جب کہ میں بہت سی باتوں بلکہ ہر بات کے لیے اس کا مرہون ہوں۔" جاہر نے یہ بھی بتایا "ہمارے آقائے اعظم کی

وفات اس کے سارے شاگردوں اور پیروؤں نے بلحاظ اپنی ذاتی رائے بہت زیادہ محسوس کیا ہے"

ہانمن کے شاگرد اور دوست اپنے اختلافات اور اپنے آقا کی وہ خامیاں جو وہ دوسرے فانی انسانوں کی طرح اپنے اندر رکھتا تھا بھول گئے بلکہ اس کی خداداد ذہانت اور قابل تعریف خوبیوں کی یاد میں متحد ہو گئے اور ۱۸۵۱ء میں لیپزگ میں ایک یادگار تعمیر کر کے بانی ہومیوپیتھی کی حیثیت سے اس کی تعظیم و تکریم کی۔

سیموئیل ہانمن بانی ہومیوپیتھی

حقیقی ذہانت پیدا ہوتی ہے انسانی ہاتھوں سے بنائی نہیں جاتی۔ ان تھک محنت ذہانت کی سطحی خوبی ہے۔ انسانیت سے محبت اس سے بڑی خوبی ہے۔ دونوں خوبیاں سچائی کی تلاش میں اپنے آپ کو ظاہر کرتی ہیں۔ تلاش اگرچہ مشکل ہے لیکن لگاتار تلاش بالاخر تمام دقتوں اور دشواریوں پر غالب آتی ہے اور سچائی کو پالیتی ہے لیکن ذہانت کا کام دریافت کے ساتھ ختم نہیں ہو جاتا۔ سچائی کا بول بالا ہوتا ہے اور جھوٹ خود بخود برباد ہو جاتا ہے۔ سچائی زندہ رکھی جاتی ہے اور جھوٹ توڑ موڑ کر برباد کر دیا جاتا ہے اور یہ ان لوگوں کی مخالفت کے ہوتے ہوئے کیا جاتا ہے جو یا تو لاعلم ہوتے ہیں یا پر شوق یا لاعلم اور پرشوق دونوں ہوتے ہیں۔ ہر پر تکلیف اور بلند پایہ کام صرف ذہانت سے ہی انجام پا سکتا ہے لیکن اس قسم کی ذہانت شاذ و نادر ہی وجود میں آتی ہے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

سیموئیل ہانمن بانی ہومیوپیتھی صحیح معنوں میں ایک ذہین آدمی تھا۔ اس کی زندگی کے خاص خاص واقعات اکثر بیان کیے جاتے ہیں لیکن اس کے تجربات لوگوں کو اتنے زیادہ معلوم نہیں جتنے کہ وہ ہونے چاہئیں تھے۔ درحقیقت اس کے تجربوں کا علم ہی آج کل کے ہومیوپیتھ کو ان کی تاریک دنیا میں روشنی بخشتا ہے۔

جیسے کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں ہانمن سیکسنی کے شہر میسن میں ۱۰ اپریل ۱۷۵۵ء کو پیدا ہوا۔ اس کا باپ برتن بنا بنا کر ان پر نقش و نگار کرنے کا کام کرتا تھا اور چونکہ بہت کفایت شعار شخص تھا پس اپنے لڑکے کو دیر تک سکول میں رکھنے کا قائل نہیں

تھا- وہ ہانمن کو نصف شب تک دیا جلائے رکھنے میں بھی بخل کرتا لیکن ہانمن نے ایک مٹی کا دیا بنا لیا اور چھپ چھپا کر یہ دیا اور کتابیں لے کر رات کو پڑھتا رہتا- اس کو علم کی پیاس تھی اور وہ اس کو بجھانے پر تلا ہوا تھا- بارہ سال کی عمر میں وہ اپنے ہم عمر طلباء کو یونانی زبان پڑھاتا تھا- بیس سال کی عمر میں دوسرے بہت سے مضامین سے واقفیت رکھنے کے علاوہ وہ تین غیر زبانیں جانتا تھا- آخر کار ۱۷۷۵ء میں اس کے باپ نے اس کو لیپزگ یونیورسٹی میں پڑھنے کی اجازت دے دی- یہاں وہ دن کو تو پڑھتا تھا اور رات کو ترجمہ کرتا تھا اور فالتو وقت میں لڑکے پڑھاتا کرتا تھا- یہ دونوں کام اس کو کسی نہ کسی طرح کرنے پڑتے تھے- کچھ دیر کے بعد وہ ہرمنسٹیڈٹ میں ایک ممتاز آدمی کا نجی معالج اور اس کی لائبریری کا نگران مقرر ہو گیا- اس ملازمت سے اس کو اپنی علم کی پیاس بجھانے کا موقع مل گیا اور اس موقع سے اس نے پورا پورا فائدہ اٹھایا- جب وہ اس ملازمت سے ۱۷۷۹ء میں سبکدوش ہوا تو وہ بمشکل چوبیس سال کا تھا لیکن وہ اس کم سنی میں بھی گیارہ زبانیں بخوبی جانتا تھا- اسی سال اس نے ارلینجن یونیورسٹی سے ایم ڈی کی ڈگری حاصل کی- اس کے بعد تقریباً ایک سال وہ سفر کرتا رہا اور اگلے دو سال علم کیمیا کے مطالعہ میں مصروف رہا- ۱۷۸۲ء میں اس نے شادی کر لی اور گومرن میں ایک کلیسائی ڈاکٹر کی حیثیت سے اپنی پریکٹس شروع کر دی- وہاں اس نے بہت سے ترجمے کیے اور اپنی پہلی تصنیف پرانے زخموں کا علاج لکھی-

لیکن اس کی پریکٹس کے نتائج اس کے لیے حیرت انگیز انکشاف تھے- یہ حالات اس کے اپنے الفاظ میں اس طرح دہرائے جا سکتے ہیں

"مجھے اپنے مبتلائے تکلیف ہم جنسوں کا ان نامعلوم دواؤں سے علاج کرنے میں اپنی ضمیر کشی کے خوف سے تامل تھا جو مضر اشیاء ہونے کے سبب آسانی سے زندگی کو موت میں تبدیل کر سکتی ہیں یا ایسی نئی بیماریاں اور مزمن امراض پیدا کر سکتی ہیں جن کا دور کرنا اصل مرض سے بھی زیادہ مشکل ہوتا ہے پس اس اصول علاج سے اپنے ہم جنس بھائیوں کا مار ڈالنے یا ان کی تکلیف بڑھا دینے کا موجب بننا میرے لیے ایک خوفناک خیال تھا- یہ خیال اس قدر خوفناک اور پریشان کن تھا کہ اپنی شادی کے بعد جلد ہی میں نے پریکٹس بالکل چھوڑ دی اور

کسی کا اس کو تکلیف پہنچانے کے خوف سے شاذ ہی علاج کیا اور جیسا کہ آپ جانتے ہیں میں نے اپنے آپ کو کیمیا اور علم ادب کی محنتوں اور مصروفیتوں میں لگا دیا۔"

ایک ایسا معالج جس کی شادی حال ہی میں ہوئی ہو اور بعد میں اپنے زمانہ کے جرمن معالجوں میں ممتاز ترین طبیب اور بہترین دوا ساز تسلیم کیا گیا' یہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی ہانمن نے ۱۷۸۴ء میں اپنا مطب بند کر دیا۔

ڈاکٹر جانسن کا قول ہے "ضمیر نیکی کی نگہبان ہے" ہانمن ضمیر رکھتا تھا۔ بلاشبہ ہر انسان ضمیر رکھتا ہے لیکن اس کے اندر وہ نگہبان بہت زیادہ بیدار تھا۔ اس نے دیکھا کہ اس کے زمانہ کے طبی طریق ادھورے اور بے رحمانہ تھے۔ وہ سمجھ گیا کہ سند یافتہ اناڑی طبیبوں سے ان کی حقیقت کچھ زیادہ نہیں۔ وہ بھی اپنے ہم پیشہ طبیبوں کی طرح علم کل رکھنے کا جھوٹا دعوی کر سکتا تھا۔ اگر وہ چاہتا تو اپنے ہم جنسوں کا اعتبار رکھنے کی بدولت وہ بھی دولت سمیٹ سکتا تھا لیکن وہ ایسا آدمی نہ تھا کہ ان باتوں پر اتر آتا' وہ بہت زیادہ دیانت دار تھا' وہ بھوکوں مرنا قبول کر لیتا بجائے اس کے کہ وہ اپنے مریضوں کو نقصان پہنچائے۔

بے کار لوگ جانتے ہیں کہ فاقہ اور بھوک کیونکر ستاتے ہیں لیکن ہانمن کو بھوکوں مرنے کی ضرورت نہ تھی۔ وہ ایک شغل رکھتا تھا' شغل ترجمہ۔ بہت سی زبانوں کا علم ہونے کی وجہ سے یہ کام اس کے لیے ممکن تھا۔ اس کی اوائل غربت نے یہ کام اس کے لیے ضروری بنا دیا تھا اور اب وہی شغل اس کی نجات کا ذریعہ بنا۔ اس شغل نے اس کو روزی کمانے کے قابل بنا دیا خواہ وہ روزی کیسی ہی غریبانہ تھی۔

لیکن ادبی محنت سے بھی بعض اوقات بڑے نتائج بر آمد ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ شیکسپیئر نے کہا ہے

"بری چیزوں میں اچھائی کی روح موجود ہے کاش لوگ مشاہدہ سے اس کو سمجھ لیں"

اور ہمارا رہبر محض بھاڑے کا ٹٹو نہ تھا' وہ ایک عمیق مشاہدہ کرنے والا انسان تھا جو برائی میں سے اچھائی اخذ کر سکتا تھا۔ ایک دن جب وہ ولیم کولین کے میٹریا میڈیکا کا ترجمہ کر رہا تھا تو ملیریا کے علاج میں سنکونا کے فعل کے متعلق وہ مصنف کے فعل سے غیر مطمعن

ہو گیا۔ پس اس نے اپنے اوپر تجربہ کیا۔ اس نے تیز ٹنکچر دو ڈرام دن میں دو دفعہ پی۔ اس کو یہ معلوم کر کے سخت حیرت ہوئی کہ دوا نے اس میں ملیریا کی ساری علامتیں پیدا کر دی ہیں اور جب وہ خوراک دہراتا تو علامات عود کر آتیں، جب وہ دوا کا استعمال بند کر دیتا تو علامات غائب ہو جاتیں اور یہاں کچھ سوچنے کی بات تھی۔

یہ واقعہ لیپزگ میں ۱۷۹۰ء میں ہوا۔ اس کے بعد سخت مطالعہ اور احتیاط سے تجربات ہوئے، بہت سی دوائیں مختلف مقداروں میں مختلف تندرست اشخاص پر آزمائی گئیں۔ اس نے اس کو اپنے اوپر، اپنے خاندان اور اپنے رضا مند دوستوں پر آزمایا۔ اس نے ہوشیاری سے مشاہدات کیے اور نتائج درج کر لیے۔ اسی دوران میں اس کا خاندان بڑھتا گیا اور اس کے ساتھ اس کی غربت اور عسرت بھی بڑھتی گئی۔ اس کو ایک ہی کمرہ میں اپنے باپ، اپنی بیوی اور اپنے بچوں کے ساتھ رہنا پڑتا تھا۔ در حقیقت کفایت شعاری کے خیال سے ۱۷۹۱ء میں وہ ایک گاؤں میں جانے پر مجبور ہوا جہاں وہ غریبوں کی سی پوشاک اور لکڑی کی کھڑاویں پہنتا تھا اور روٹی اپنے ہاتھوں سے پکاتا تھا۔ اس کے بچے بیمار ہو گئے اور اس نظارہ نے اس کو اور اکسایا کہ وہ اپنے تجربات جاری رکھے اور یقین کرے کہ اس نے شفایابی کا ایک قانون دریافت کر لیا ہے۔

تجربات کا زمانہ اول تندرست آدمیوں پر اور پھر بیماروں پر چھ سال جاری رہا۔ جو دوا بھی آزمائی گئی نتیجہ یکساں ہی تھا "ایک دوا بڑی مقدار میں ایک تندرست آدمی کو بیمار کر سکتی ہے اور چند علامات پیدا کر سکتی ہے، وہی دوا تھوڑی مقدار میں ایک بیمار آدمی کو اچھا کر سکتی ہے بشرطیکہ علامات وہی ہوں۔" بالآخر ۱۷۹۶ء میں ہانمن نے "دی جرنل آف پریکٹسنگ فزیشنز" The Journal Of Practising Physicians میں جو پیشہ ور معالجین کے لیے جاری تھا ایک مضمون بہ عنوان "دواؤں کی شفا بخش طاقتوں کے دریافت کرنے کا نیا اصول" شائع کرایا۔ یہ رسالہ اس وقت کا اہم ترین طبی رسالہ تھا۔ ہیوف لینڈ اس کا ایڈیٹر خود آسمان طب کا ایک درخشاں ستارہ تھا۔ اور اس مضمون نے پہلی مرتبہ دنیا کو قانون مشابہت (مشابہت کا علاج مشابہت سے ہونا چاہیے) سمجھایا۔ یہ ایک ایسا قانون تھا جس سے درہم برہم طبی دنیا میں امن و سکون قائم ہوتا نظر آتا تھا۔

ہانمن کی قانون مشابہت کی صداقت آزمانے کے اوائل موقعوں میں سے دو مواقع یہاں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ۱۷۹۳ء میں اس نے جار جنتھیل میں دیوانوں کے

علاج کے لیے ایک شفاخانہ کھولا۔ یہاں اس کو ہرکلا کن برگ کا جو وزیر پولس اور ہنوور کے چانسلر کا سیکرٹری تھا علاج کرنے کا موقع ملا۔ یہ مدبر پاگل ہو کر ہذیان بکتا رہتا تھا اور کئی نگران اس کی دیکھ بھال کے لیے درکار تھے۔ ہنوور میں کئی مشہور ڈاکٹروں کے علاوہ شاہی معالج نے اس کا علاج کیا لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا بالآخر اسی مدبر سلطنت کی بیوی نے ہانمن کی امداد طلب کی جو فراخ دلی سے دی گئی۔

اس زمانہ کا دستور یہ تھا کہ پاگلوں سے وحشی جانوروں کا سا یا اس سے بھی بدتر سلوک کیا جاتا تھا' ان کو زنجیریں پہنائی جاتی تھیں

ہنگامہ محشر ہے دنیائے محبت میں
زنجیر پہنتا ہے آج آپ کا دیوانہ

ان کو پیٹا جاتا تھا' ان کو تاریک کوٹھریوں میں محبوس کر دیا جاتا تھا اور نمائش بینوں کی تفریح کے لیے ان کو دق کیا جاتا تھا۔ بدقسمت مریض شفا کا صرف ایک ذریعہ رکھتے تھے اور وہ موت تھی لیکن ہانمن بہتر جانتا تھا' اس کی انسانیت اس کی ذہانت کی طرح نمایاں تھی۔ اس نے دیکھا اور محسوس کیا کہ اس قسم کا "علاج" بجز طویل عذاب کے اور کچھ نہ تھا۔ یہ وحشیانہ طریقے اس نے اختیار کرنے سے انکار کیا۔ اس کے اپنے قابل یادگار الفاظ یہ ہیں۔

"میں کبھی کسی پاگل شخص کو مکے لگنے یا کسی دوسری قسم کی جسمانی سزا ہونے نہیں دیتا کیونکہ جہاں ذمہ داری نہیں وہاں سزا بھی نہیں اور کیونکہ یہ مریض صرف رحم ہی کے مستحق ہیں اور ان کی حالت ایسے سخت علاج سے بدتر ہی ہو جاتی ہے کبھی بہتر نہیں ہوتی۔"

بہرحال ہانمن نے اس مریض کا حال غور سے دیکھا' نہایت نرمی سے اس کا علاج شروع کیا اور اپنی دوائیں مریض کی حالت کے مطابق دیں نتیجہ یہ ہوا کہ یہ مدبر سلطنت جو جون ۱۷۹۲ء میں اس کی نگرانی میں لایا گیا تھا مارچ ۱۷۹۳ء میں بالکل صحت یاب ہو کر ہنوور کو واپس چلا گیا۔ چنانچہ ہمارا ہیرو اس طرح دنیا میں پہلا آدمی تھا جس نے دیوانی طبی دنیا میں ایسی اصلاح کی تلقین کی جس کی اشد ضرورت تھی۔ درحقیقت وہ بیج جو اس طور پر ڈیڑھ صدی قبل بویا گیا اب خوب پھل پھول رہا ہے۔ یہ اس جوانمرد کے انتہائی غور و فکر کا نتیجہ ہے کہ آج ہم الفاظ کی بندش میں بھی احتیاط اور غور و خوص سے کام لیتے ہیں یعنی اب

پاگل خانے نہیں بلکہ دماغی شفا خانے کہے جاتے ہیں ان میں پاگل لوگ نہیں بلکہ "دماغی نقص کے مریض" رکھے جاتے ہیں۔

دوسرا بڑا موقع ۱۷۹۹ء کے موسم گرما میں سرخ بخار کی وبا تھی۔ یہ وبا کونگ سلٹر میں سخت متعدی حالت میں پھیلی۔ اس بارے میں ہانمن نے محسوس کیا کہ اس وبا کی علامات بیلا ڈونا کی مکمل تصویر پیش کرتی تھیں پس وہ دوا سیال حالت میں بغیر نام بتائے دی جاتی تھی چنانچہ اس کاروائی سے حفظ ماتقدم اور شفایابی دونوں پہلوؤں میں بڑی کامیابی حاصل ہوئی۔

کیا ان دو واقعات کے بعد ہانمن کی مزید قدر و منزلت ہوئی؟ شاید شکر گزار مریضوں نے اپنے خاموش شکریے عطا کیے ہوں لیکن دوسرے لوگوں نے شکوہ شکایت بھی کی۔ معالج ایک ایسے آدمی سے حسد کرتے تھے جو ایسے کارنامے انجام دے رہا تھا جن کی نظیر انہوں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ یقیناً دوا ساز ایسے آدمی سے ناراض تھے جو آزادی سے اپنی ہومیوپیتھک دوائیں دیتا اور ان کو آمدنی کی سنہری فصل کاٹنے کے عمدہ موقع سے محروم کرتا تھا۔ گویا ہانمن ان کے حقوق پر غاصبانہ قابض ہو گیا تھا۔ اس وقت کے معالجوں نے دوا سازوں کو ابھارا اور انہوں (دوا سازوں) نے قانونی چارہ جوئی کی۔ عدالت نے ہانمن کے خلاف فیصلہ دیا اور اس کو اپنی دوائیں تیار کرنے کی ممانعت کر دی گئی ۔ پس ۱۷۹۹ء کی خزاں میں غریب آدمی کو کونگ سلٹر کو خدا حافظ کہنا پڑا۔ کونگ سلٹر وہی مقام تھا جہاں اس نے اپنا مشہور مضمون "قانون مشابہت" سالہا سال کی تحقیق و تفتیش کے بعد لکھا۔ جہاں اس نے نیا طریقہ علاج مریضوں کے اطمینان کے مطابق ثابت کیا لیکن ساتھ ہی کامیابی سے سرمایہ داروں کے غصہ کو بھڑکایا تھا۔ موجودہ زمانہ کی طرح اس وقت بھی یہ سرمایہ دار عوام کے مفاد کی پروا نہ کرتے تھے۔

اس کتاب کا مقصد

تاریخ طب، انکشافات ہومیوپیتھی اور سوانح حیات ڈاکٹر سیموئل ہانمن موجد ہومیوپیتھی بیان کرنے کے بعد اب ہم اس کتاب کی غرض و غایت اور اصل مقصد بیان کرنا چاہتے ہیں۔ یہ کتاب ایسے اصحاب کے لیے لکھی جا رہی ہے جنھوں نے کرشمات ہومیوپیتھی کے متعلق بہت تعریف سنی ہو لیکن اسے خود آزمانے کا موقعہ نہ ملا ہو۔ اس کتاب کے مطالعہ سے ہر وہ شخص جو ذرا بھی سوچنے اور سمجھنے کی اہلیت رکھتا ہے فوراً حقیقت سے روشناس ہو جائے گا کیونکہ ہومیوپیتھی ایک قدرتی اصول علاج ہے اور ظاہر ہے کہ قدرت کے اصول پوشیدہ نہیں ہوتے۔

یہ کتاب ان لوگوں کو بڑی مدد دے گی جو کسی سبب سے ڈاکٹروں کے اخراجات کی برداشت نہیں کر سکتے خصوصاً وہ لوگ جو دیہات میں رہتے ہیں اور شہری لوگ جنہیں آئے دن بیماریوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے خصوصاً رات کے وقت جب کہ ڈاکٹر کی طلبی بھی کوئی آسان کام نہیں ہوتا۔ یہ سب لوگ اس کتاب کو پڑھ کر بہت سے عوارضات کا خود علاج کر سکیں گے۔

مصنف نے اس کتاب کو بڑی آسان عبارت میں لکھنے کی کوشش کی ہے تاکہ

ہومیوپیتھی کے اصول کی زیادہ سے زیادہ اشاعت ہو اور عوام اس سے بہترین فائدہ اٹھا سکیں۔ اس کے بغور مطالعہ سے بہت سی بیماریاں ابتدائی مدارج میں ہی نابود کی جا سکیں گی لیکن اس کتاب کا مطالعہ یا اس پر عمل اس بات کا مقتضی نہیں ہوگا کہ اس کا عامل صحیح معنوں میں ڈاکٹر بن گیا ہے۔

کئی لوگوں کا خیال ہے کہ ہومیوپیتھی میں متعلقہ طبی علوم مثلاً اناٹومی یعنی تشریح الابدان، فزیالوجی یعنی افعال اعضاء وغیرہ کا جاننا ضروری نہیں لیکن یہ سراسر غلط ہے۔ کوئی شخص ہانمن کا سچا پیروکار نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ ہانمن کی طرح تمام طبی علوم میں ماہر نہ ہو، اس لیے کیمسٹری یعنی علم کیمیا، باٹونی علم نباتات، سرجری، جراحت، میٹریا میڈیکا خواص الادویہ، پیتھالوجی علم اعضاء وغیرہ تمام علوم کا ضروری علم ہومیوپیتھ کے لیے اشد ضروری ہے وگرنہ ہومیوپیتھس کی وہی حالت ہوگی جو ایک ایسے غیر تجربہ کار ملاح کی ہو سکتی ہے جو ملاح گیری نہ جانتا ہو لیکن کشتی بان ہونے کا دعوی کرے۔ یقیناً ایسا کشتی بان مسافروں کو لے ڈوبے گا۔

عام گھروں میں کئی پیٹنٹ دوائیں ایسی استعمال ہونے لگی ہیں جن کے متعلق ڈاکٹر سے مشورہ کرنا بھی ضروری نہیں سمجھا جاتا لیکن بسا اوقات ایسی دوائیں مثلاً کیسٹر آئل، اسپرین، فروٹ سالٹ وغیرہ وغیرہ کے استعمال سے ایسی پیچیدگیاں لاحق ہو جاتی ہیں جن کا ازالہ مشکل ہو جاتا ہے۔ اس کتاب کا اولین مقصد مذکورہ بالا خطرناک دواؤں کے استعمال کو روکنا ہے اور ان کی جگہ ہومیوپیتھک غیر مضر دواؤں کا رواج دینا ہے تاکہ ہر جگہ مضر دواؤں کی جگہ ہومیوپیتھک دوائیں استعمال کی جائیں اور ایلوپیتھک دواؤں کے بد نتائج سے بچایا جائے۔

ہومیوپیتھی کیا ہے؟

ہومیوپیتھی کے نام سے بہت سے لوگ واقف ہو چکے ہیں لیکن ہومیوپیتھی کیا ہے؟ اس کے اصول کیا ہیں؟ یہ باتیں بہت کم لوگوں کو معلوم ہیں۔ ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ عوام کو چھوڑ کر اگر ہومیوپیتھک معالجین کو بھی یہ کہا جائے تو ان میں سے بھی بہت سے لوگ ایسے نکلیں گے جو ہومیوپیتھی کو صحیح طور پر نہیں سمجھتے لہذا یہ ضرورت پیش آئی ہے کہ ذیل میں ہومیوپیتھی کے موٹے موٹے اصولوں کو سہل عبارت میں سمجھانے کی کوشش کی جائے تاکہ ناواقف آدمی نقل اور اصل میں تمیز کر سکیں اور سمجھ سکیں کہ اگر بیمار کا ہومیوپیتھک علاج ہو رہا ہے تو اس کا معالج ہانمن کا سچا پیروکار بھی ہے یا نہیں یا وہ اپنے آپ کو ہومیوپیتھ تو کہلاتا ہے لیکن ہومیوپیتھی سے اسے دور کا تعلق بھی نہیں۔ آئندہ سطور میں ہمیں یہ دکھانا مقصود ہے کہ ہومیوپیتھی صرف تجربات کا ایک سلسلہ نہیں جو کسی انسان کی ذاتی رائے پر ہو اور اس رائے میں کسی وقت کوئی تبدیلی پیدا ہو سکے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ ہومیوپیتھک علاج کی بنیاد قانون قدرت پر ہے اور آپ جانتے ہیں کہ قانون قدرت میں کبھی کوئی فرق نہیں آیا اسی طرح ہومیوپیتھک اصول علاج بھی کسی ترمیم یا تنسیخ کے محتاج نہیں۔

ہماری یہ تصنیف ان دوستوں کے لیے ہے جو سچائی اور حق کے متلاشی ہوں۔ ہماری درخواست ہے کہ ہماری گزارشات کو تعصب کی نگاہ سے نہ دیکھا جائے بلکہ عالمانہ طور پر تحقیق کی جائے۔ ہمیں یقین ہے کہ اگر ایسا ہی کیا گیا تو سچائی خود بخود گرویدہ کر لے گی۔

مشہور فلاسفر لارڈ بیکن نے کیا خوب لکھا ہے "کوئی چیز اس خیال سے نہ پڑھو کہ تم اس کی تردید کرنا چاہتے ہو یا اس کو بالکل ٹھکرانا چاہتے ہو نہ اس لیے کہ تم اس بات کو اندھا دھند مان لو اور اس پر یقین کر لو اور نہ اس واسطے کہ تم اس کے متعلق کوئی تذکرہ یا مباحثہ شروع کر دو بلکہ اس نقطہ نظر سے پڑھو کہ تم اس کو تولو اور اس پر غور کرو" آیئے اس اصول پر ہم بھی ہومیوپیتھی پر غور کریں۔

ہومیوپیتھی = عوام کا خیال ہے کہ ہومیوپیتھی کا مطلب صرف اتنا ہی ہے کہ اس علاج

میں دوا کی خوراک تھوڑی سے تھوڑی مقدار میں دی جاتی ہے یا یہ کہ دوائیں میٹھی اور غیر مضر ہوتی ہیں لیکن اسی قدر جاننے سے ہومیوپیتھی کے وسیع علم پر عبور نہیں پایا جا سکتا۔ لہٰذا ہومیوپیتھی کی تشریح کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ سب سے اول تو یہ جاننا چاہیے کہ "ہومیوپیتھی" دو یونانی لفظوں سے مرکب ہے "تکلیف کے مانند" یا "مرض کے مانند" اور اس نظریہ کو علاج بالمثل کہا جاتا ہے۔ علاج بالمثل دنیا میں کوئی نئی چیز نہیں اگر کوئی شخص جل جائے تو اسے سینک دینے سے جلدی شفا حاصل ہو جاتی ہے، اگر کوئی شخص گر پڑے تو اسے آرام کرنے کی بجائے اسی وقت چلنے کی اور حرکت کرنے کی ہدایت کی جاتی ہے، اگر کوئی شخص برف میں دب جائے تو اسے ہوش میں لانے کے لیے پھر بھی آہستہ آہستہ برف ہی کی مالش کی جاتی ہے۔ یہ سب علاج بالمثل ہی تو ہے۔ اسی طرح سینکڑوں اور مثالیں ہیں جن سے علاج بالمثل کی تائید ہوتی ہے۔ علاج بالمثل کا یہ اصول دنیا کو ہمیشہ سے معلوم تھا لیکن تعجب یہ ہے کہ اس پر سختی سے عمل نہیں کیا گیا۔ تاریخ طب بھی اس امر کی گواہ ہے کہ پدر طب یعنی بقراط کو بھی اس اصول علاج کا علم تھا چنانچہ اس کی تعلیم سے پتہ چلتا ہے کہ اس نے شاگردوں کو مشابہ اثرات رکھنے والی دواؤں کے استعمال کی ہدایت کی ہے چنانچہ اس نے ایک جگہ لکھا ہے کہ کھانسی کا علاج کھانسی پیدا کرنے والی دوا سے کرنا چاہیے لیکن افسوس ہے کہ اسے دواؤں کے پوشیدہ خواص کا اصل پتہ نہ تھا اور اس کے بعد شاگردوں نے اس اصول پر دھیان ہی نہ دیا نتیجہ یہ ہوا کہ بقراط کے زمانہ میں ہومیوپیتھک اصول بالکل ہی نظر انداز کر دیا گیا یہاں تک کہ جالینوس نے اس سے قطعی طور پر انکار کر دیا۔

مختصراً ہومیوپیتھی کے اصول کے مطابق ہر ایک دوا جب بحالت صحت مادی خوراک میں استعمال کی جاتی ہے تو وہ جسم میں اپنی مخصوص علامات پیدا کر دیتی ہے اور اگر اسی قسم کی علامات قدرتی طور پر مریض میں پائی جاتی ہیں تو یہی دوا قلیل مقدار میں ایسی علامات کو دور کر سکتی ہے۔ اس اصول کو ہانمن نے دریافت کیا۔ آسانی سے سمجھنے کے لیے ہم مندرجہ ذیل مثالیں پیش کرتے ہیں۔

بیس گرین ایلو ہرب یعنی ریوند کسی تندرست انسان کو دینے سے اس کو مخصوص قسم کے دست آنے لگیں گے مگر کسی مریض میں اسی قسم کے دست اسی دوا کی ایک گرین یا اس سے کم مقدار دینے سے بند ہو جائیں گے۔

بیس گرین سنکھیا یا پارہ کھانے سے معدہ اور امعاء میں ایسا ورم اور ایسی علامات پیدا

ہو جائیں گی جس سے موت واقع ہونے کا ڈر ہو گا مگر ان ہی ادویہ کے ایک گرین کے ایک ہزار یا دس ہزار حصہ سے حالت مرض میں اسی قسم کا ورم جو دوسرے اسباب سے پیدا ہو گیا ہو درست ہو جائے گا۔

ایک اور مثال جو زیادہ واضح ہوگی یہ ہے کہ جب بیلا ڈونا بمقدار زہر کھایا جاتا ہے تو اس سے جسم پر سرخ بخار جیسے دانے نکل آتے ہیں، گلا متورم ہو جاتا ہے اور سر درد کرتا ہے۔ یہ علامات تمام تر سرخ بخار میں پائی جاتی ہیں چنانچہ بیلا ڈونا جسے ہانمن نے سب سے پہلے دریافت کیا نہ صرف سرخ بخار سے شفا بخشتا ہے بلکہ اس کا استعمال سرخ بخار سے محفوظ بھی رکھتا ہے۔ اس بیان سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ بیلا ڈونا سرخ بخار پیدا کرتا ہے، نہیں بلکہ اس کا استعمال سرخ بخار جیسی علامات پیدا کرتا ہے۔

اگر ایک آدمی لمبے سفر سے تھک جاتا ہے تو ماہرین ہومیوپیتھی اس کے لیے چھوٹا سفر تجویز نہیں کرتے یہ ایک اعتراض ہے جو ہومیوپیتھی پر اکثر کیا جاتا ہے لیکن اس صورت میں یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ لمبے سفر کے لیے چھوٹے سفر کی تجویز ہومیوپیتھک اصول کی دلیل نہیں۔ تھکاوٹ کے لیے ایسی دوا تجویز کی جاتی ہے جس کی اپنی خوراک کے استعمال سے بدن انسان میں خود بخود تکان کا احساس پیدا ہو جاتا ہے جیسے لمبے سفر سے۔ چنانچہ آرنیکا کا استعمال جس کی خاصیت یہ ہے کہ لمبے سفر کی تکان کی علامات پیدا کر دیتا ہے اس استعمال میں مفید ثابت ہوتا ہے۔

اس لیے علم ہومیوپیتھی مناسب دوا کے انتخاب کی رہنمائی کرتا ہے لیکن دوا کی خوراک کا تعین نہیں کرتا۔ خوراک دوا کا تعین تجربہ سے واضح ہو جاتا ہے اور اس کا ذکر ہم آئندہ صفحات میں مفصل بیان کریں گے البتہ ہومیوپیتھک اصول کے لیے ایک بات ضروری ہے اور وہ یہ کہ ادویہ اپنا مخصوص اثر کرنے کے لیے نہایت قلیل مقدار میں دی جائیں بالفاظ دیگر ادویہ اتنی مقدار میں نہیں دینی چاہئیں کہ ان سے دوائیہ مرض پیدا ہو جائے۔

ہومیوپیتھی کے اصول

سادگی سچائی کا نشان ہے

ہومیوپیتھی کی بنیاد دوا اور مریض میں مخصوص تعلق کے نظریہ پر رکھی گئی ہے اور جیسا کہ پہلے بتایا گیا اس کو اصول مماثلت یا مشابہت کہتے ہیں۔ اس اصول پر انتخاب کی ہوئی دوائیں زیادہ مقدار میں نہ دی جائیں کیونکہ ایسا کرنے سے مریض کی تکلیف بڑھ جانے کا اندیشہ ہوتا ہے لیکن تھوڑی مقدار میں دینے سے بھی (جس کو ہومیوپیتھک مقدار کہتے ہیں) وہ دوا اس قدر کافی ہونی چاہیے کہ بیمار اعضاء کو اور نسائج کو تندرست کر دے۔

پس ہومیوپیتھک طریق علاج کے مندرجہ ذیل تین خاص اصول ہمیشہ یاد رکھنے چاہئیں۔

(ا) دواؤں کے اثرات کی آزمائش تندرست انسانی جسم پر کرنا۔

(۲) قانون یا اصول مماثلت کا استعمال (ہر دکھ درد کا علاج مشابہ اثر رکھنے والی دوا سے کیا جائے) ایسے امراض میں پابندی سے کرنا جو اندرونی دواؤں سے اچھے ہو سکتے ہیں۔

(۳) دوا کو اتنی قلیل مقدار میں دینا کہ وہ کوئی نقصان دہ اثر نہ کر سکے۔

ہومیوپیتھک علاج میں کئی اور قوائد بھی ضروری سمجھے جا سکتے ہیں لیکن یہ سب اصول مندرجہ بالا اصولوں پر ہی مبنی ہیں۔

دواؤں کی آزمائش انسانوں پر

اگر ہانمن کا واحد نظریہ یہی ہوتا کہ دواؤں کو مریض کو دینے سے قبل انسانی تندرست جسم پر آزمایا جائے تب بھی اس کو اپنے زمانہ کا جلیل ترین طبی مصلح سمجھا جانا چاہیے۔ درحقیقت یہی ایک خیال کتنا شاندار ہے کہ دوا کے اثرات نہ صرف اتفاقی طور پر مریض کے زیادہ دوا کھا جانے سے آزمائے جائیں یا جانوروں پر جو اپنے احساسات بیان نہیں کر سکتے تجربہ کئے جائیں بلکہ انسان پر آزمائے جائیں جس کے علاج کے لیے وہ دوائیں مخصوص کی جاتی ہیں۔ دواؤں کے تجربات کا یہ طریقہ ابھی تک سرکاری طور پر اختیار نہیں کیا گیا بلکہ ہانمن سے پہلے اور بعد بہت سے ڈاکٹروں کا جسے سرکاری سائنس کہا جاتا ہے' دواؤں کے متعلق سارا علم عطائی ہے یا جانوروں پر تجربات کر کے حاصل کیا گیا ہے اور اگرچہ تجربات کسی طرح حقیر نہیں سمجھے جا سکتے تاہم ان تجربات سے بہت سی ایسی دوائیں نظر انداز کر دی گئی ہیں جو بظاہر غیر موثر لیکن در حقیقت قابل قدر تھیں اور پہلے مختلف امراض میں کامیابی سے استعمال کی جاتی رہی ہیں اور ان کی بجائے اب عجیب و غریب بڑے بڑے ناموں والی دوائیں مستعمل ہونے لگیں۔ بہت سی صورتوں میں دوا کا اثر جو حیوانات پر ظاہر ہوتا ہے وہ اس اثر سے بہت مختلف ہوتا ہے جو انسان پر ہو سکتا ہے اس کی ایک مثال ایٹروپین ہے۔ حیوانات پر تجربات سے ہم پر اس دوا کے باریک اثرات ظاہر نہیں ہو سکے' اسی طرح بیمار حیوان پر بھی دوا کی آزمائش کرتے ہوئے ہم صاف طور پر اس کا اثر نہیں دیکھ سکتے کیونکہ مرض کی علامتیں اکثر دوا کی علامتوں کے ساتھ مل کر پیچیدگی پیدا کر دیتی ہیں

اس کے برعکس تندرست انسانی جسم پر تجربات ہمیں وہ اثر دکھا سکتے ہیں جو چند دوائیں خاص طور پر خاص اعضاء کے لیے اپنے اندر پنہاں رکھتی ہیں اور اعصاب اور مزاج پر گہرے اثرات بھی ظاہر کر دیتی ہیں پس معالج خواص الادویہ کی بناء پر بے خوف و خطر ایسی دوا چن سکتا ہے جو مرض کے علاج کے لیے موزوں ہو۔ ہانمن اور تمام ہومیوپیتھک معالج اور محقق جو اس کے بعد ہوئے ہومیوپیتھی کے اس اصول پر عامل رہے کیونکہ اس

کے بغیر وہ نظریہ مشابہت کبھی اختیار نہیں کر سکتے تھے چنانچہ ماہرین دوا سازی میں سے سب سے مشہور شخص پروفیسر اسکلز نے حال ہی میں اعلان کیا کہ کسی دوا کی ذاتی طاقت معلوم کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس دوا کی آزمائش تندرست انسانی جسم پر کی جائے۔ وہ اعتراف کرتا ہے کہ ہانمن کا دعوئ جدید سائنس کے عین مطابق ہے اور نوع انسان ہمیشہ کے لیے اس کی ممنون احسان رہے گی کہ اس نے تندرست انسانی جسم پر دوائیں آزمانے کا طریقہ اختیار کیا۔ مثال کے طور پر پروفیسر اسکلز آرسینک (سنکھیا) کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہم مختلف حیوانات پر اس دوا کے اثرات دیکھ کر کہہ سکتے ہیں کہ یہ ایک ہلاک کر دینے والا زہر ہے لیکن اس کی دوسری خاصیتیں کبھی ثابت نہیں کر سکیں گے کہ اس دوا کے دوسرے اثرات بھی ہو سکتے ہیں مثلاً مزمن عصبی درد کی ایک قسم بھی اسی زہر کی پیدا کردہ علامت ہے۔ اس سوال کو حل کرنے کے لیے پروفیسر موصوف کہتے ہیں کہ اس آزمائش کے لیے کہ ایک خاص دوا انسان پر کیا اثر ڈالتی ہے؟ اور اس سے علاج کے لیے کیا نتائج برآمد ہوتے ہیں؟ جانوروں پر تجربات کرنا کافی نہیں چنانچہ اسی بناء پر پروفیسر اسکلز اور ان کے طلباء نے بہت سی دواؤں کی اپنے اوپر آزمائش کی جن میں سے بہت سی (مثلاً سلفر) غیر موثر خیال کی گئی تھی اور نتائج اخذ کیے جو حیرت انگیز طور پر ان تجربات کے بالکل مطابق نکلے جو ہانمن نے تقریباً دو سو سال قبل بیان کیے تھے۔

ہومیوپیتھی کے اس پہلے اصول پر ہانمن اور اس کے شاگردوں اور جانشینوں نے ہمیشہ عمل کیا ہے، خود ہانمن نے تقریباً ساٹھ دوائیں تندرست انسانوں پر اپنے طریق پر آزمائیں اور جو نتائج ہوئے ان کا مفصل بیان قلمبند کر دیا۔ اس کی کوششیں تا عمر مسلسل جاری رہیں اس کے بعد خوردبین کے استعمال اور علم کیمیا کی مدد سے ان دواؤں سے پیدا شدہ تبدیلیوں کی تائید ہوئی اور انسانی اعضاء میں باریک سے باریک تبدیلیاں بھی معلوم کر لی گئیں۔ ہانمن کے وقت سے لے کر آج تک ان تجربات کو سلسلہ وار لکھ کر محفوظ کیا جاتا رہا ہے اور اب ہمارے پاس خواص الادویہ پر کئی مفصل کتابیں موجود ہیں جن میں مشہور اور عام استعمال کی دواؤں کے خواص اور اثرات درج ہیں۔ یہ کتابیں نہ صرف تشخیص امراض اور علم تشریح اعضاء کی تبدیلیوں پر حاوی ہیں بلکہ متعلقہ علامات (جو صرف مریض ہی محسوس کر سکتا ہے) کا بھی جن پر صحیح دوا کا انتخاب موقوف ہے مکمل بیان پیش کرتی ہیں۔ خواص الادویہ کے مضمون پر امریکن پروفیسر ڈاکٹر فیرنگٹن کی ایک مستند تصنیف بڑی مشہور کتاب

ہے۔ اس تحقیق اور تجربہ کا سلسلہ ابھی بند نہیں ہوا بلکہ ہومیوپیتھک سائنس اس شعبہ میں لگاتار تحقیق و تفتیش کا اضافہ کر رہی ہے۔

اصول مماثلت

(کند ہم جنس با ہم جنس پرواز) ہانمن کا سب سے بڑا کارنامہ تماثلی علاج کی اشاعت تھا۔ خاص دواؤں سے تندرست جسم پر جو علامتیں ظاہر ہوئیں انہیں مرض کی علامتوں سے مقابلہ کر کے اور اپنے اوپر اور دوسروں پر عملی تجربات کر کے ہانمن کو یقین ہو گیا کہ قدرت کا سنہری اصول یعنی دواؤں سے اکثر امراض کو جلدی' بے خطر اور خوش اسلوب طریقہ سے اچھا کرنے کا واحد طریق یہ ہے کہ ہر مرض کا علاج مشابہ اثرات رکھنے والی دوا سے کیا جائے۔ اس اصول کی دریافت ہومیوپیتھی کی عمارت کا سب سے بڑا ستون ہے۔ اس اصول اور طریقہ علاج کا استعمال متقدمین نے پہلے بھی کیا ہے لیکن شائد بے خبری میں کیونکہ دواؤں سے اکثر حقیقی شفایابیاں اسی اصول کی بناء پر ہو سکتی ہیں۔ ہمیں حیران نہیں ہونا چاہیے کہ یہ حیاتیاتی قوانین استثنا کے بغیر نہیں کیونکہ تمام قدرتی قوانین جو گرمی' بجلی' حتیٰ کہ کشش ثقل پر حکمرانی کر رہے ہیں اپنی حدود رکھتے ہیں۔

ہومیوپیتھی کی عالمگیر سچائی کا ثبوت

بہت سے معالجوں نے ہزاروں مریضوں کو اچھا کر کے اس اصول علاج کی صداقت کو ناقابل تردید طور پر صحیح ثابت کیا ہے۔ ساری دنیا کے طبیب اس اصول کو باقاعدہ سمجھ کر اسے عملی طور پر استعمال کرتے ہیں اور یقیناً اگر یہ اصول ایک وہم یا فریب ہوتا تو اس کی مقبولیت و ہمہ گیری کا یہ عالم بالکل نہ ہوتا۔ اگرچہ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہانمن کے اس اصول کی کامیابی کی علمی تشریح آج کل ہماری دواؤں اور امراض کے موجودہ علم کے مطابق نہیں تاہم یہ ایک واقعہ ہے کہ اصول خود درست ہے۔ ہانمن کا کام علمی یا قیاسی تشریح پر مبنی نہیں بلکہ بیماروں کے علاج میں عملی نتائج پر قائم ہے۔ یہ معاملہ مندرجہ ذیل چند مثالوں سے صاف ہو جائے گا۔

یہ مشہور بات ہے کہ اگر کسی شخص کو آرسینک یعنی سنکھیا دیا گیا ہو تو اس زہر کی علامتیں ہیضہ کی علامتوں سے بہت مشابہ ہوتی ہیں۔ ان دونوں حالتوں میں مریض کی طاقت

بری طرح زائل ہو جاتی ہے، شدید درد، پانی کی مانند دست اور ناقابل برداشت پیاس جب کہ دونوں حالتوں میں آنتوں کی ساخت کی بیمار حالت بھی قریب قریب یکساں ہوتی ہے۔ ہیمبرگ کی آخری ہیضہ کی وبا میں ثابت ہو گیا کہ آرسینک کا ہومیوپیتھک استعمال ہیضہ جیسی مہلک مرض میں بہترین چارہ کار تھا۔ یہ بھی مشہور بات ہے کہ کورسوو سبلیمیٹ Corrosive Sublimate پیچش کی علامتوں کی مانند علامات پیدا کرتا ہے چنانچہ تجربہ سے یہ بات سینکڑوں دفعہ ثابت ہو چکی ہے کہ سبلیمیٹ ہومیوپیتھک طور پر تیار کیا ہوا پیچش رفع کر سکتا ہے۔ سلفر جلد پر دانے پیدا کرتی اور اچھا کرتی ہے، فاسفورس کئی ہڈیوں کی بیماریاں پیدا اور اچھا کرتی ہے، اپیکاک قے پیدا اور اچھا کرتی ہے، کاپر (تانبا) تشنجی سانس اور دم گھونٹ دینے والے دورے پیدا کرتا ہے اور اس سبب سے کالی کھانسی کے لیے ایک نہایت قابل قدر ہومیوپیتھک دوا ہے۔ ایکس ریز بے تحاشہ لگائے جانے سے جلد کی سوجن پیدا کرتی ہے اور پس اس قسم کی سوجن کی بیماریاں ایکس ریز سے اچھی بھی ہو سکتی ہیں۔ اسی طرح ہومیوپیتھک اصول کی صداقت کی بہت سی اور مثالیں دی جا سکتی ہیں لیکن یہاں طوالت کے ڈر سے انہی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

قلیل مقدار دوا

دواؤں کے اس عجیب دوہرے اثر کی تشریح دوا برتنے میں صاف عیاں دکھائی دیتی ہے اور اس طرح ہم ہومیوپیتھی کے تیسرے اصول یعنی مقدار کو بھی سمجھ سکتے ہیں۔ بیمار اور تندرست جسم انسان پر دواؤں کے اثر کا مطالعہ کرتے ہوئے ہم اس واقعہ سے آشنا ہوتے ہیں کہ دوا کی بڑی خوراکیں جو علامتیں پیدا کرتی ہیں وہی علامتیں اسی دوا کی چھوٹی خوراک سے دور ہوتی ہیں۔ شراب کی زیادہ مقدار پی لینے سے دماغ پر بے حسی طاری ہو جاتی ہے جب کہ اس کے برعکس اسی شراب کی تھوڑی سی مقدار دماغ کو تحریک دیتی ہے۔ کورسوو سبلیمیٹ بڑی مقدار میں عضوی خلیات Organic Cells کو فنا کر دیتا ہے لیکن ہومیوپیتھک اصول پر قلیل مقدار میں (۱ تا 80,00,000 تناسب کا محلول) زندگی کو تحریک دیتا ہے اور انگور کی شکر کے محلول میں خمیری ذرات بہت بڑھا دیتا ہے۔ رہبارب یعنی ریوند Rhubarb بڑی مقدار میں مشہور ملین دوا ہے جب کہ اس کی ہومیوپیتھک خوراک اپنی قسم کے دستوں کے لیے مجرب ہے۔ اوپیئم یعنی افیون اپنی نوع خوراک کے مطابق انسان کو

مدہوش کرتا یا تحریک دیتا ہے۔ ان مشاہدات سے ہم دیکھ سکتے ہیں کہ یہ ہردلعزیز اصول کہ "زیادہ شے زیادہ مدد دیتی ہے" بالعموم فن طب میں کار آمد نہیں سمجھا جا سکتا بلکہ اس کے بر خلاف بڑی خوراکیں اکثر مضر ہوتی ہیں جب کہ چھوٹی خوراکیں مفید۔ حیاتیات کے متعلق پروفیسر آرنٹ کا یہ بنیادی اصول کہ "ہلکی محرکات قوت حیات کو تیز کرتی ہیں' اوسط درجہ کی (محرکات) اس کو (قوت حیات) کو ترقی دیتی ہیں' زیادہ مقدار والی اس کو روکتی ہیں اور بہت زیادہ مقدار والی اس کو تباہ کر دیتی ہیں" ہمیں ان دواؤں کا جو ہومیوپیتھک اصول پر انتخاب کی جائیں اثر سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔

اگر اول الذکر قانون یعنی تندرست جسم پر دواؤں کی آزمائش صحیح ہے تو یہ قدرتی طور پر زیادہ قابل قدر ہے بخلاف اس کے کہ دوائیں بیمار جسم اور اس کے اعضاء پر استعمال کر کے نتائج حاصل کیے جائیں۔ جہاں ایک سوجی ہوئی آنکھ روشنی کی شعاع سے بہت درد محسوس کرتی ہے وہاں ایک تندرست آنکھ اسی شعاع سے لطف اندوز ہوتی ہے۔ عصبی درد سر کا مریض معمولی سے معمولی آواز کو کتنا زیادہ محسوس کرتا ہے اور تمباکو کی بدبو سوجے ہوئے یا بیمار آلات تنفس میں کیسی خراش پیدا کرتی ہے۔ یہ سب مثالیں ثابت کرتی ہیں کہ دواؤں کی آزمائش تندرست انسانی اجسام پر ہی کرنی چاہئے کیونکہ وہی اثرات معتبر مانے جا سکتے ہیں۔ بیمار اعضاء اور بیمار نظام جسم ان خراش پیدا کرنے والی چیزوں سے متاثر ہوتے ہیں حالانکہ تندرست اعضاء پر ان خراش پیدا کرنے والے اسباب کا اثر ہی نہیں ہوتا۔ اس طرح یہ بات آسانی سے سمجھی جا سکتی ہے کہ جہاں دواؤں کی بڑی خوراکیں تندرست اعضاء پر واضح اثر ڈالتی ہیں وہاں وہی دوائیں بیمار اعضاء پر اس وقت بھی اپنا کام کر سکتی ہیں جب کہ وہ اتنی تھوڑی مقدار میں دی جائیں کہ تندرست اعضاء پر قطعی ان کا کوئی اثر نہ ہو اور یہ بات ہومیوپیتھی کے عین مطابق ہے۔ ہومیوپیتھک دوائیں اس قدر قلیل مقدار میں استعمال کرنے سے جہاں وہ تندرست اعضاء پر کوئی مرئی اثر پیدا نہیں کرتیں وہاں وہ اس قابل بھی ہوتی ہیں کہ بیماری کی حالت میں نہ صرف نظام جسمانی کو سنبھالے رہیں بلکہ اس کو جلد اچھا بھی کر دیں۔

تین قوانین علاج بالمثل کا خلاصہ

یہ تین سائنٹفک اصول تمام ہومیوپیتھک ڈاکٹر تسلیم کرتے ہیں اور ہومیوپیتھی کے موجودہ نقطہ

نظر کی صحیح ترجمانی کرتے ہیں۔

ہومیوپیتھک معالج کسی طرح بھی اپنے آپ کو بے خطا نہیں سمجھتے

ہومیوپیتھک معالج فن طب میں ہر حقیقی ترقی کا فراخ دلی سے خیر مقدم کرتے ہیں۔ ان کو یقین ہے کہ ہومیوپیتھک دوا سازی اور دوا کا عملی استعمال ترقی دیئے جانے کے قابل ہے لیکن وہ ان تین اصولوں پر جو نہ بحث میں اور نہ عملی طور پر کسی تبصرہ سے غلط یا بے بنیاد ٹھہرائے جا سکتے ہیں سختی سے کار بند ہیں کیونکہ یہ تینوں اصول غیر متزلزل ثابت ہو چکے ہیں۔

مقدار دوا کے متعلق مخالفین کے اعتراضات اور ان کے جواب

متذکرہ بالا تمام خوبیوں کے باوجود سرکاری طب یعنی ایلوپیتھک احباب کی طرف سے ہومیوپیتھی کی اتنی زیادہ مخالفت کی جاتی ہے اور اس کو اتنا حقیر سمجھا جاتا ہے۔ آخر اس کا سبب کیا ہے۔ اس کا جواب معلوم کرنے کے لیے ہمیں نہ صرف ہانمن کے پیش کردہ نئے اصول علاج اور تندرست جسم پر دوائیں آزمانے کے نظریہ پر غور کرنا چاہیے (یہی دو نظریے ہیں جو عام خیالات کے خلاف ہیں) بلکہ ہانمن کے اس نظریہ میں بھی جو دواؤں کو لطیف سے لطیف تر بنانے کے متعلق ہے غور و خوض کرنا چاہیے۔ نمائندگان ہومیوپیتھی یہ بار بار بیان کر چکے ہیں کہ جدید قیاسات کے مطابق دوا کا اثر دوا میں زیادہ پانی حل کرنے سے بڑھ نہیں جاتا پس ہانمن کا "بے حد خفیف مقدار میں دوا دینے کا نظریہ" مقدار میں "تھوڑی خوراک دوا دینے کے اثر کے نظریہ" سے مخلوط کیا جا رہا ہے حالانکہ دونوں نظریوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

معترضین یہ نہیں سمجھتے کہ علاج میں کم از کم مقدار دوا دینے کی نئی دریافت جو ہانمن نے پیش کی ہے اس کا مفہوم دوا کو لطیف سے لطیف تر بنا کر استعمال کرنا ہے۔ اس تقویت یافتہ دوا کو ہومیوپیتھی میں Potentisation Theory یا عمل تقویت کہتے ہیں۔ اس عمل سے دوا کی مقدار بظاہر کم ضرور ہو جاتی ہے اور شاید اسی وجہ سے معترضین اسے ہیچ اور ناکارہ سمجھتے ہیں لیکن یہی بھول ان کی کم مائیگی کی دلیل ہے اور یہی بات ان کے سچائی قبول کرنے کی راہ میں حائل ہے لہٰذا ہم اس موقع پر ایک مرتبہ پھر علی الاعلان بتا دینا

چاہتے ہیں کہ اگرچہ ہومیوپیتھک خوراک دوا قلیل ہوتی ہے اور عام ایلوپیتھک خوراک دوا سے بہت کم ہوتی ہے تاہم اتنی خفیف نہیں ہوتی کہ شفا دینے کی طاقت بھی اپنے اندر نہ رکھے۔

ہومیوپیتھک دوائیں کن کن طاقتوں میں استعمال ہوتی ہیں

ساری دنیا میں ہومیوپیتھک معالجوں کی کثیر تعداد اکثر امراض میں ۳x سے ۶x تک طاقت دوا استعمال کرتی ہے۔ (۳x، ۶x والی) دوا میں اصلی شفا بخش شے کی ہزارویں سے دس لاکھویں حصہ تک کی مقدار پائی جاتی ہے لیکن اس سے زیادہ طاقت کی دوائیں بھی استعمال ہوتی ہیں اور مخصوص صورتوں میں استعمال ہونی چاہئیں کیونکہ چند دوائیں مثلاً لائم، چار کول، سلیسک ایسڈ وغیرہ تا وقتیکہ ہومیوپیتھک طریق پر الکوحل یا شوگر آف ملک میں حل کر کے استعمال نہ کی جائیں قطعاً بے سود اور بے اثر ثابت ہوں گی۔
ہومیوپیتھک دوا سازی کے مطابق یہ اشیاء بار بار الکحل میں حل کرنے اور ہلا ہلا کر جھٹکنے سے زیادہ لطیف اور موثر ہو جاتی ہیں کیونکہ اثر کی طاقت اور نفوذ کی قابلیت تجزیہ ہر مرتبہ بڑھتی جاتی ہے اور دوا اس طرح زیادہ آسانی سے جذب ہو جاتی ہے لیکن اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دوا کو کس قدر طاقتور یا Potentise کیا جائے۔ سو اس امر کا فیصلہ مریض کے حالات جانچنے اور پرکھنے کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔ یہاں صرف ایک ہی اصول جو ہر حالت میں بہتر ہے بتا دینا کافی ہوگا اور وہ یہ کہ دواؤں کے سفوف اور عرق اس درجہ تک حل یا تسحیق کرنے چاہئیں کہ وہ جسم پر بغیر کسی نقصان کے امکان کے ایک صاف اور واضح اثر پیدا کر سکیں۔

اس حقیقت میں چون و چراں کی بالکل گنجائش نہیں کہ یہ ہومیوپیتھک تقویت یافتہ خوراکیں اسی طرح مطلوبہ اثر رکھتی ہیں اور سارے ہومیوپیتھک شفا خانے اس حقیقت کے ضامن اور کفیل ہیں۔ یہ حقیقت کہ ایلوپیتھی بھی اسی تجربہ کی بناء پر چند حالات میں اپنی دواؤں کی مقدار کم کر دینے پر مجبور ہوئی ہے انجکشن کے نئے علاج سے ثابت ہوتی ہے جس میں (مثلاً ٹبرکولین کے انجکشنوں میں) 1/10,00,00,000 - 1/10,00,000 - گرام کی خوراکیں (یہ مقداریں ہومیوپیتھک طاقت دوا ۶x سے ۸x تک کے برابر ہیں) اب غیر معمولی طور پر روزانہ استعمال کی جانے لگی ہیں۔

علم کیمیا، علم طبعیات، علم حیوانات اور علم نباتات میں بے شمار ثبوت اس امر کے ملتے ہیں کہ دوائیں تھوڑی مقدار میں استعمال کرنے سے زیادہ موثر ثابت ہوتی ہیں مثلاً آیوڈین کا ایک حصہ پانی کے 480,000 حصوں میں حل کیا ہوا صرف نشاستہ والے تجربہ کے ذریعے معلوم کیا جا سکتا ہے۔ فرانسیسی ماہر نباتات مسٹر کوپن نے دریافت کیا کہ تانبے کے نمک چند پودوں کے نشوونما پر سخت مضر اثر ڈالتے ہیں۔ صرف تیز سالیوشن یا محلول کی صورت میں ہی نہیں بلکہ ایسے 1 تا 700,000,000 کی نسبت میں حل شدہ صورت میں (ہومیوپیتھک اصول پر 9x طاقت)۔ مسٹر لو نے معلوم کیا کہ جہاں یورنیم کے نمک 0.5 فیصدی کے محلول میں مٹر کے پودوں پر زہریلا اثر ڈالتے ہیں وہاں وہ 1 تا 10,000 کے تناسب کے حل شدہ صورت میں (جو 4x کے برابر ہے) ان کی نشوونما میں مدد دیتے ہیں۔

عمل انگیزی Catalysis

اس ضمن میں چند اشیاء کے عمل انگیز ہونے کے متعلق جو ایک جدید تحقیق ہے ذکر کرنا بھی نہایت اہم ہے۔ عمل انگیزی وہ اثر یا عمل ہے جو ایک شے دوسری اشیاء میں کیمیاوی تغیر پیدا کرنے کے لیے کرتی ہے لیکن خود متاثر نہیں ہوتی۔ چنانچہ اس عمل سے بہت سی اشیاء میں اکسیڈیشن کے عمل کی صلاحیت زیادہ ہو جاتی ہے۔ اس عمل کو سمجھنے کے لیے ایک سادہ تجربہ جو آسانی سے کیا جا سکتا ہے اس کی توضیح کر دے گا۔ اگر شکر کی ڈلی اسپرٹ لیمپ کے شعلہ کے اوپر رکھی جائے تو ڈلی پگھل کر قطروں کی صورت میں نیچے ٹپکنے لگے گی لیکن ڈلی یا قطرات کو آگ ہرگز نہ لگے گی لیکن اگر شکر پہلے راکھ میں ملا لی جائے اور پھر شعلہ پر رکھی جائے تو یہ جلد جل اٹھے گی۔ کوکو، سیاہ مرچ، چائے اور دوسری سبزیاں بھی یکساں اثر رکھتی ہیں اور اگر یہ بھی باریک کرکے شکر میں ملا لی جائیں تو جلد جل اٹھیں گی۔ اسی طرح انسانی خون کا ایک قطرہ اگر شکر کی ڈلی پر ڈال دیا جائے اور وہ ڈلی آگ کے سامنے رکھی جائے تو تیزی سے جلنے لگے گا۔ بنابریں مشہور دوا ساز اسکیڈ نے عمیق تحقیق سے یہ ثابت کیا ہے کہ وہ اشیاء جو دوسری اشیاء پر عمل انگیزی اثر رکھتی ہیں اپنا اثر بہت تھوڑی مقدار میں استعمال ہونے پر بھی برقرار رکھتی ہیں مثلاً سلفیورک ایسڈ کی آکسیڈیشن کی طاقت کاپر سلفیٹ Vitriol کے ذریعہ 1 تا 100,00,00,000 کے تناسب سے حل کرکے حاصل کی جاتی ہیں۔ ان نئے انکشافات میں جو تمام جاری و ساری

کیمیاوی قوانین کے مخالف ہیں ایک دوسرا دلچسپ واقعہ یہ ہے کہ عمل انگیز اشیاء اپنا اثر جلنے کے بعد بھی قائم رکھتی ہیں۔ بخوف طوالت مضمون ہم اس دلچسپ موضوع پر کچھ زیادہ بحث نہیں کرتے لیکن جو کچھ ہم اب تک کہہ چکے ہیں وہ ہمیں کائنات میں چھوٹی چیزوں کی پنہاں طاقت کا صاف ثبوت بہم پہنچاتا ہے اور اس طرح یہ امر کسی طرح غیر منطقی یا غیر معقول نہیں کہ بہت چھوٹی خوراکوں کے اچھا کرنے کے اثر کے امکان کو بلحاظ اس طب کے جو اس کے موافق ہے تسلیم کیا جائے۔

پس ہم اچھی طرح دیکھ چکے ہیں کہ ہومیوپیتھی ایسا ضابطہ ہے جو سائنٹفک بنیادوں پر قائم کیا گیا ہے۔ یہ طب کی ایسی سچائی پیش کرتی ہے جو بہت سی صورتوں میں جدید تحقیقوں اور دریافتوں سے صحیح قرار دی گئی ہے لیکن اس کے علاوہ ہومیوپیتھی جیسا کہ آئندہ بیان کیا جائے گا صحت بخشنے کا عملی طریق ہے جس کے لاکھوں مریض اپنی صحت یابی کے لیے ممنون و مرہون ہیں۔

فضائل ہومیوپیتھی

قلیل مقدار، شیریں ذائقہ، آزمودہ اور غیر مضر طریقہ علاج

پہلا اور نہایت اہم فائدہ جو بار بار دہرایا جا چکا ہے کہ ہومیوپیتھی میں دوا کی اس قدر قلیل مقدار استعمال ہوتی ہے کہ اس سے کوئی مضر ثانوی اثر پیدا نہیں ہوتا پس دوا کا زہر جو بدقسمتی سے تیز ایلوپیتھک دواؤں سے اکثر پیدا ہو جاتا ہے عملی طور پر ہومیوپیتھی میں نہیں پایا جاتا۔ کونین، مرکری، مارفیا اور ایسی ہی دواؤں سے پیدا شدہ نتائج کیسے ناخوشگوار ہوتے ہیں اس کا حوالہ دیتے ہوئے پروفیسر کوبرٹ جو ایلوپیتھک ڈاکٹری کی ایک مستند شخصیت ہیں لکھتے ہیں "دواؤں کے زہر سے ہمارا منشا اس مخموری و مدہوشی سے ہے جس کے لیے ہم ڈاکٹر لوگ قابل الزام ہیں۔ ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ یہ بے رحمی ہے کہ نئی اور غیر معروف دوائیں (جن کی آزمائش ماہرین فن دوا سازی نے نہیں کی ہے) مریض پر آزمائی جائیں۔ یہ ایسا دستور ہے جس کی سرکاری طور پر ممانعت ہونی چاہیے"۔ بدقسمتی سے ہمیں اعتراف کرنا پڑے گا کہ حد سے زیادہ تیز دوائیں دینے یا غلط نسخہ تجویز کرنے سے جو جانیں

ضائع ہوئیں ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ گذشتہ ساٹھ سال میں مرکری کے زہر کی تقریباً نوے فیصدی وارداتیں دواؤں سے پیدا ہوئیں۔ یہ زہر جو جسم میں داخل کر دیئے گئے ہیں ان سے طبی ذرائع سے نجات نہیں پائی جا سکتی۔"

علاج بذریعہ انجکشن

مذکورہ بالا بیان میں جن زہروں کا حوالہ دیا گیا ہے ان سے مراد جدید علاج بذریعہ انجکشن ہے۔ ظاہر ہے کہ پہلے پہل جہاں صرف مارفیا کا انجکشن ہوتا ہے وہاں اب آیوڈین' اینٹی پائرین' میڈنیل' ڈجی ٹیلیین اور بہت سی دوسری دوائیں بھی انجکشن کے ذریعہ داخل کی جاتی ہیں اور دور جدید میں تو نمونیہ کے لیے آپٹوکین کا انجکشن بھی کیا جاتا ہے جس کے نتیجہ میں دیکھا گیا ہے کہ ایک درجن سے زیادہ مریض بالکل ہی اندھے ہوگئے لیکن شکر ہے کہ پروفیسر ہیل نے اس کے استعمال کی ممانعت کر دی ہے۔ دواؤں کے زہر کی ایسی خوفناک وارداتیں ہومیوپیتھک علاج میں کبھی وقوع پذیر نہیں ہوتیں۔ اس قسم کا بچاؤ ہومیوپیتھی کا بڑا وصف ہے۔

تسکین دہ عارضی علاج

دوسرا فائدہ یہ ہے کہ کسی جلدی یا سطحی مرض کے ظہور کی موقوفی مثلاً جلدی پھوڑے پھنسیوں' دستوں' سوزاک کی پیپ اور دیگر ہر قسم کے مواد کو بزور دبا دینا جو اکثر خطرناک نتائج پیدا کرتا ہے ہومیوپیتھک علاج میں پایا نہیں جاتا۔ اس قسم کی تیز دواؤں سے علامات کو تسکین دینے والا علاج ممکن ہے عارضی تسکین دے دے اور چند ضروری حالتوں مثلاً لاعلاج امراض میں اگرچہ جائز بھی ہے لیکن ایک اصول کے ماتحت خصوصاً جب دوا کا استعمال غیر معین طور پر لمبا ہو جائے مریض کی طاقت زائل ہوتی جاتی ہو اور مرض مزمن صورت اختیار کر رہا ہو ایسی حالت میں دوا کی مقدار پے در پے بڑھا دینی چاہیے تاکہ اگر افاقہ ہونا ہے تو جلدی رونما ہو۔ پروفیسر جی جاگر اس طریقہ کار کے متعلق فرماتے ہیں "دواؤں کی بڑی خوراکوں والے مسکن علاج سے جو قوت حیات کو کم کر دیتا ہے پرہیز لازم ہے۔ یہ اس لیے نہیں کہ مریض ایسے علاج سے مکمل طور پر صحت یاب نہیں ہو سکتا بلکہ اس لیے کہ یہ علاج قوت حیات کو کمزور کرتا ہے اور بار بار جسم میں زہر داخل کرنے سے

عموماً طاقت بالکل زائل بلکہ موت بھی واقع ہو جاتی ہے لیکن جہاں کہیں شاذ و نادر مسکن علاج اشد ضروری ہو جائے اسے ہمیشہ اختیار کر لینا نقصان سے خالی نہ ہو گا۔ پس یہی وجہ ہے کہ اس علاج کو آئینی اور اصولی علاج نہیں بنا لینا چاہیے۔"

ہومیوپیتھک فوری علاج ہے

تیسرا فائدہ یہ ہے کہ ہومیوپیتھک دوائیں نا معلوم امراض یا جب مرض صاف طور پر تشخیص نہ کیا جا سکے فوراً دی جا سکتی ہیں۔ ہومیوپیتھی کو یہ برتری اس لیے حاصل ہے کہ یہ دواؤں کو اصول مشابہت پر انتخاب کرتی ہے۔تندرست جسم پر دوا کے اثر کے علم کی بدولت ہومیوپیتھ اس قابل ہوتا ہے کہ احتیاط سے علامات کا مشاہدہ کر کے فوراً مرض کا نام رکھے بغیر مناسب و موزوں دوا مریض کو کھلا دے۔ ہومیوپیتھ تشخیص کو کسی طرح حقیر نہیں سمجھتا اور اس سے تغافل نہیں برتتا۔ لیکن بکثرت ایسے امراض ہیں خصوصاً کسی بیماری کے آغاز میں جن میں موجودہ سائنٹفک ذرائع کی امداد کے باوجود صحیح تشخیص کرنا ممکن نہیں۔ یہ فضیلت اور برتری ہومیوپیتھی کے سب سے بڑے فوائد میں سے ہے کہ ایسی حالتوں میں بھی اس کی دوائیں بے خوف و خطر انتخاب کی جا سکتی ہیں۔ یہ دوائیں مرض کی ترقی روک دینے میں اکثر کامیاب ہوتی ہیں یا کم از کم مرض کی سختی کو نرم اور مریض کو جلد شفایاب کر دیتی ہیں۔

اس امر کی ایک روشن مثال اور ہانمن صاحب کی غیر معمولی ذہانت کا ثبوت ہیضہ کا ہومیوپیتھک علاج ہے۔ ہانمن نے خود ہیضہ کا کوئی مریض نہیں دیکھا تھا لیکن وائنا میں اپنے دوستوں سے اس کی علامتوں کی صحیح اطلاع پا کر اس نے اپنے حامیوں کی توجہ موزوں ترین ہومیوپیتھک دواؤں کی طرف مبذول کرائی اور تجربہ سے اس کی رائے صحیح ثابت ہوئی۔ آج تک اس کی بتائی ہوئی دوائیں ہیضہ کے ہومیوپیتھک علاج میں خاص شافی دوائیں شمار ہوتی ہیں۔ پس یہ امر حیران کن نہیں کہ ڈاکٹر میک کلفلن سرکاری انسپکٹر برطانوی شفاخانہ جات برائے ہیضہ نے اعلانیہ کہا کہ اگر میں ہیضہ میں مبتلا ہو جاؤں تو ایک ایلوپیتھک مشیر کی بجائے ایک ہومیوپیتھک معالج کی نگرانی میں رہنا پسند کروں گا۔

غیر ضروری اپریشن

ہومیوپیتھی کی ایک اور خوبی یہ ہے کہ چند امراض جن کا علاج ایلوپیتھی میں بجز اپریشن اور کچھ نہیں، ہومیوپیتھک دواؤں سے اچھے کیے جا سکتے ہیں۔ ہومیوپیتھی سے عرف عام میں معجزوں کی امید نہیں رکھی جا سکتی۔ تپ دق یا سرطان کی آخری منزلوں میں یہ مریض کی جان نہیں بچا سکتی یا نئے اعضاء پیدا نہیں کر سکتی لیکن ورم زائدہ اور ایسے ہی اپریشن سے متعلق امراض میں اور بہت سی زنانہ بیماریوں میں ہومیوپیتھی اندرونی دواؤں کے استعمال سے اکثر نہایت تسلی بخش نتائج حاصل کر سکتی اور خطرناک آپریشنوں کو روک سکتی ہے۔ اگرچہ ہومیوپیتھی سائنٹفک سرجری کے علاج کے فوائد اچھی طرح پہنچاتی ہے تاہم یہ اپنی اس رائے پر مضبوطی سے قائم ہے کہ موجودہ زمانہ میں آپریشن حد سے زیادہ ہیں۔ جو آپریشن پہلے خطرناک سمجھے جاتے تھے ان میں چونکہ اب مقابلتہً خطرہ کم ہوتا ہے پس سرجن صاحبان آج کل ضرورت سے زیادہ آپریشنوں پر آمادہ نظر آتے ہیں۔ سرجری پر ایک غیر جانبدار شخصیت پروفیسر ڈاکٹر کلین واچر نے بہت سال گزرے اپنی یہ رائے ظاہر کی کہ ”مجھے یقین ہے کہ مرضیات نسوانی Gynaecology کی حدود بہت بڑھ گئی ہیں اور بہت سی مریض عورتیں جنہوں نے آپریشن کرائے ان میں سے اکثر مستورات کے امراض کو دوسرے شاید کم خوری طریقوں سے آرام ہو سکتا تھا۔“ ایکس ریز، روشنی اور آفتابی شعاع کے علاجوں سے بغیر آپریشن جو اچھے نتائج ظاہر ہوئے اس سے عوام کو سرجری کے متعلق رائے بدلنا پڑی اور اس سے ہومیوپیتھک دنیا کو بڑا اطمینان ہوا کہ غیر ضروری سرجری کے متعلق اس کا دعویٰ صحیح ثابت ہوا۔

ہومیوپیتھی سہل اور سادہ علاج ہے

ہومیوپیتھی کا ایک اور بڑا فائدہ اس میں سادگی ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہومیوپیتھی میں دوا کا انتخاب آسان ہے یا معالج کے پاس کتاب ہونے سے غلطیوں سے پورا پورا بچاؤ ہو سکتا ہے، یہ ہرگز نہیں بلکہ اس کے برعکس یہاں تو معالج کو علامات بڑی احتیاط سے پہچاننے اور زیر بحث مرض کے علاج کے واسطے مناسب دوا انتخاب کرنے کے لیے بہت زیادہ مطالعہ اور عملی تجربہ کی ضرورت لاحق ہے۔ لیکن البتہ ہومیوپیتھک علاج سادہ اور

سہل اس اعتبار سے ہے کہ نسخے یکساں اور ایک اصول کے ماتحت ہوتے ہیں- ایلوپیتھی کے نسخوں کے برعکس جو اکثر پیچیدہ اور لگاتار بدلنے والے ہوتے ہیں ایلوپیتھی اور ہومیوپیتھی میں یہ فرق دوا کی تیاری میں صاف طور پر ظاہر ہو جاتا ہے جہاں ایلوپیتھی میں ہم مختلف قسم کی دواؤں کے مرکبات کی بڑی بڑی بوتلیں دیکھتے ہیں جن کی بدذائقگی پر دوسری اشیاء کی ملاوٹ سے کچھ پردہ بھی پڑ جاتا ہے' جہاں گولیاں اور سفوف مریض بہت ناپسند کرتے ہیں وہاں ہومیوپیتھی میں چھوٹی چھوٹی بوتلیں ہوتی ہیں جن میں سادہ خوراکیں' خوش ذائقہ سفوف' ٹکیاں اور گولیاں پڑی ہوتی ہے جن کو بچے بھی شوق سے کھا لیتے ہیں- ہومیوپیتھک معالج اشد ضروری حالات میں اپنے ہمراہ بہت سی دوائیں آسانی سے لے جا سکتا ہے جو ناگہانی بیماری کی حالت میں ضروری ہیں خصوصاً رات کے وقت جب کہ کسی دوا ساز تک رسائی ممکن نہ ہو' ناگہانی اور وقتی بیماریوں مثلاً بچوں کی مشہور بیماری خناق کاذب کی حالت میں اس طریقہ سے کیسا قیمتی اور قابل قدر وقت بچایا جا سکتا ہے-

ہومیوپیتھی سخاوت اور خیرات کا بہترین ذریعہ ہے

آخر میں یہ خوبی کہ ہومیوپیتھی ان علاقوں میں جہاں معالج کی امداد نایاب ہے بہت زیادہ قابل قدر ہے- سخی پڑھے لکھے ہمدرد لوگ جو ہمیشہ دوسروں کے دکھ درد محسوس کرتے ہیں اور ان کی بیماری کی حالت میں مدد دینے پر مجبور ہوتے ہیں ہومیوپیتھک اصولوں کا عمیق مشاہدہ کر کے اور ان پر عمل پیرا ہو کر ہم جنسوں کو ہر وقت بدنی تکلیفوں اور بیماریوں سے نجات دلا سکتے ہیں- ہومیوپیتھک دوائیں نسبتاً سستی ہوتی ہیں اس لیے اگر کوئی شخص ہومیوپیتھک علاج کو اپنی سخاوت اور خیرات کا ذریعہ بنانا چاہے تو اسے آسانی سے اختیار کر سکتا ہے-

ایلوپیتھی اور ہومیوپیتھی میں امتیاز

ایلوپیتھک پریکٹس میں مریض بالعموم اس نقطہ نظر سے ملاحظہ کیا جاتا ہے کہ یہ معلوم کیا جائے کہ کون سا عضو یا حصہ جسم مناسب طور پر کام نہیں کر رہا- جسمانی علامتیں جو ملاحظہ میں آتی ہیں اس عضو یا حصہ جسم سے منسوب کی جاتی ہیں- غلط طور پر کام کرتا

ہوا مجرم عضو معلوم کرنے، مرض کی تشخیص کرنے اور علاج تجویز کرنے سے قبل یہ ضروری ہوتا ہے کہ پورا پورا جسمانی امتحان کیا جائے۔ ملاحظہ میں صرف خارجی علامات جو مختلف طریقوں سے معلوم کی جاتی ہیں مدنظر رکھی جاتی ہیں۔ داخلی اور دماغی علامات بالعموم نظر انداز کر دی جاتیں ہیں۔

سنجیدہ دماغی نقائص مثلاً دیوانگی سے قطع نظر بہت سی دماغی حالتیں مثلاً ہسٹریا وغیرہ ایسی بیماریاں ہیں جن میں جسم کے کسی عضو میں کوئی ظاہری خرابی نہیں پائی جاتی۔ اگرچہ دماغ اپنا کام غیر طبعی طور پر کرتا رہتا ہے اور دماغ کا مغز سے نزدیکی تعلق ہے تاہم اس کا ملاحظہ کسی عضو، غدود یا ساخت یا خون کی طرح نہیں کیا جا سکتا۔ پس معالج جو اپنے نتائج صاف ظاہری امتحان سے اخذ کرتا ہے یہ نہیں جانتا کہ ان حالتوں میں کیا کرے اور جہاں تک طبی علاج کا تعلق ہے دماغ کے متعلق ظاہری معائنہ سے ایک ماہر خصوصی بھی کچھ نہیں جان سکتا۔

بخلاف اس کے ایک ہومیوپیتھک معالج اگرچہ وہ مریض کا مناسب ظاہری ملاحظہ ضرور کرتا ہے لیکن صرف خارجی علامتوں پر جو کسی بیمار عضو کے سبب پیدا ہوئی ہوں اتنا زور نہیں دیتا۔ وہ نہ صرف مریض کی جسمانی اور دماغی علامتوں پر غور کرتا ہے اور انہیں اہم سمجھتا ہے۔ مریض پر گرمی سردی کا اثر، مریض کی خواہشات اور دوسری باتیں بھی مثلاً کن حالتوں میں اس کی تکلیف بڑھتی یا گھٹتی ہے قابل غور سمجھتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی بنیادپر انتخاب کی ہوئی دوا یقیناً اس دوا یا ان دواؤں سے زیادہ موثر اور کارگر ہوگی جو صرف بیمار عضو کو ظاہرہ تشخیص کی رو سے درست کرنے کے لیے دی جاتی ہے۔

ایلوپیتھک میٹریامیڈیکا بھی یہ تسلیم کرتی ہے کہ اگرچہ ایک دوا تیزی سے کسی خاص عضو پر اثر انداز ہوتی ہے تاہم یہ جسم کے دوسرے حصوں یا اعضاء پر بھی اپنا کچھ نہ کچھ فعل کیے بغیر نہیں رہتی۔ وہ یہ اعتراف بھی کرتی ہے کہ کچھ دوائیں جب کافی مقدار میں دی جائیں دماغ پر اثر پیدا کرتی ہیں لیکن جب ایلوپیتھک طریق پر نسخہ تجویز کیا جاتا ہے تو دوائیں کسی محدود یا خاص حصہ میں اثر پیدا کرنے کے لیے انتخاب کی جاتی ہیں بلحاظ ان اثرات کے جو وہ دوسرے اعضاء میں ظاہر کریں۔

یہ مشہور بات ہے کہ دوائیں مثلاً بیلا ڈونا، سٹرامونیم، ہایوسائمس اور کینا بس انڈیکا دماغی حالت اس طرح بگاڑتی ہیں کہ ان دواؤں کے زیر اثر لوگ پاگل مریضوں کی

طرح برتاؤ کرنے لگتے ہیں۔ بہت سی دوسری اشیاء بھی دماغ پر اثر ڈالتی ہیں اور ایک قسم کی دماغی علامتیں پیدا کر دیتی ہیں۔ ایلوپیتھک دواؤں کے مقصد کے حصول کے لیے یہ دماغی اثر نظر انداز کر دیا جاتا ہے اور اس کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی لیکن ہومیوپیتھی جانتی ہے کہ یہی دوائیں جب تھوڑی مقدار میں دی جائیں تو ان حالتوں کو اچھا بھی کر سکتی ہیں جو ان علامتوں سے مشابہ ہوں جو وہ پیدا کرتی ہیں۔ اور جب مریض میں کوئی ایسی دماغی علامت نظر آتی ہے تو ایک ہومیوپیتھ ایک ایلوپیتھ کی طرح چکر یا شش و پنج کی حالت میں نظر نہیں آتا۔ وہ اپنے میٹریا میڈیکا کے علم کی بناء پر فوراً مناسب دوا تجویز کر سکتا ہے۔

ہومیوپیتھی نہ صرف صحیح انتخاب دوا سکھاتی ہے بلکہ حیرت انگیز شفایابیوں سے ثابت کر چکی ہے کہ کوئی دوا جو زیادہ مقدار میں دینے سے خارجی، داخلی اور دماغی علامتیں پیدا کرتی ہے تھوڑی مقدار میں دینے سے وہی علامتیں درست کر سکتی ہے۔ ایلوپیتھک حضرات اس قانون یا اصول پر یقین نہیں رکھتے، وہ اس کا مضحکہ اڑاتے ہیں خصوصاً دوا کی معمولی مقدار کا جو بالعموم بے حد قلیل اور لطیف ہوتی ہے لیکن جب ایک ایلوپیتھک معالج یقین رکھتا ہے کہ خشک گھاس یا زرگل کی خوشبو بھی تپ کاہی یا زکام جیسی علامات اور دمہ پیدا کر دیتی ہے تو کیا وہ اس شے کی مقدار کو ناپ تول سکتا ہے جو اس خوشبو میں شامل ہے جو تپ کاہی پیدا کرنے کے لیے کافی ہے؟ اور جب وہ یہ یقین کر سکتا ہے کہ محض خوشبو ایک شخص کی صریحی تندرست حالت کو اچھی طرح درہم برہم کر سکتی ہے تو وہ یہ یقین کیوں نہیں کر سکتا کہ ہومیوپیتھک دوا کی بے حد خفیف مقدار ایک بیمار شخص پر جو اپنی بیماری کی حالت کے سبب بیرونی اثرات بہت زیادہ محسوس کرتا ہے اثر انداز ہو سکتی ہے؟ اور وہ یہ یقین کیوں نہیں کر سکتا جب کہ ہومیوپیتھی ایک صدی سے زائد عرصہ سے یہی بات لگاتار ثابت کر رہی ہے؟

ایلوپیتھی علم العلاج افسوس ناک طور پر بے چارہ ہے۔ بہت سے امراض میں ایلوپیتھ صاحبان خود تسلیم کر چکے ہیں کہ ان کے ہاں مریض کو اچھا کرنے کا کوئی صاف و واضح قانون نہیں۔ آئے دن کوششیں ہوتی رہتی ہیں کہ تحقیق و تفتیش (یہ اصطلاح ایلوپیتھی میں عام ہے) کر کے نئی دوائیں اور نئے طریقے دریافت کیے جائیں لیکن دور تلاش کرنے کی کیا ضرورت ہے جب کہ بالکل نزدیک ہی اچھی چیز (ہومیوپیتھی) پہلے ہی موجود ہے۔

ہومیوپیتھک دوائیں

جیساکہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں ہومیوپیتھی میں دوائیں صرف مختلف طور پر ہی استعمال نہیں ہوتیں بلکہ ان کو تیار بھی ایسے طریقہ سے کیا جاتا ہے جو بہت سی باتوں میں ایلوپیتھی سے مختلف ہے۔

ہانمن کا مقصد نہ صرف دوائیں سادگی اور یکساں روی سے استعمال کرنا تھا بلکہ ان کے اصل خواص کو ہر قسم کے نقصان سے محفوظ بھی رکھنا تھا چنانچہ بہت سے تجربات کرنے پر اس نے معلوم کیا کہ اکثر جڑی بوٹیوں کے تیار کرنے کا طریقہ انہیں الکحل میں بھگو کر ٹنکچر بنا لینا ہے۔ اسی طرح وہ اشیاء جو پانی یا الکحل میں حل نہیں ہو سکتیں اور جن کا جوہر پانی یا الکحل میں نہیں نکالا جا سکتا ان کو شوگر آف ملک کے ساتھ ملا کر کھرل کر کے سفوف بنا لینا چاہیے مثلاً چند اشیاء لائم، سلفر، سیلکا جو غیر تیار شدہ یعنی اپنی ٹھوس حالت میں دوا کی حیثیت سے جسم پر قطعی کوئی اثر پیدا نہیں کرتیں اور اس لیے ایلوپیتھی میں "بیکار محض" خیال کی جاتی ہیں شوگر آف ملک کے ساتھ کھرل کر کے نہایت مفید و موثر بنائی جا سکتی ہیں۔ ہانمن کی یہ دریافت دوا سازی جس کی تصدیق سارے ہومیوپیتھک معالج کرتے ہیں موجودہ وقت تک ہومیوپیتھی کی واحد ملکیت ہے۔ ہومیوپیتھک دواؤں کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ بہت سے پودوں کا تازہ نکالا ہوا رس نچوڑ کر استعمال کیا جاتا ہے چہ جائیکہ دوسرے طریقوں میں پودے کو خشک کر کے استعمال کیے جانے میں اس کے شفا بخش خواص میں کئی تبدیلیاں واقع ہو جاتی ہیں جو اس کے اثر کو کمزور کر دیتی ہیں۔ اس فائدہ کو ایلوپیتھی کے مشہور ڈاکٹر بھی تسلیم کر لیتے ہیں مثلاً پروفیسر وڈو مصنف اور پروفیسر کوبرٹ اپنی ایک تصنیف میں لکھتے ہیں "دوا سازی کے لیے جڑی بوٹیوں کا کافی ذخیرہ رکھنا پڑتا ہے۔ یہ قدرتی طور پر تازہ نہیں ہو سکتی بلکہ مرجھائی ہوئی اور خشک (جیساکہ لفظ دوا Drug سے ظاہر ہے جس کے معنی ہیں خشک چیز) پس مستند معالجات میں (جیساکہ میں بار بار بیان کر چکا ہوں) ان پودوں کے بغیر ہی کام چلانا پڑتا ہے جو صرف تازہ ہونے پر ہی موثر ہو سکتے ہیں مثلاً پلسٹلا، برائی اونیا وغیرہ درآنحالیکہ علم العلاج کا مقبول اور ہردلعزیز طریقہ (جس سے ہمارا مطلب ہومیوپیتھی ہے) تازہ پودے بکثرت استعمال کر کے نہایت تسلی بخش نتائج حاصل

کرتا ہے۔"

بانی ہومیوپیتھی کی غیر معمولی ذہانت اور تبحر علمی کاایک ثبوت یہ ہے کہ اس کے اصول کے آغاز کو ایک سو بیاسی سال گزر چکے ہیں تاہم دوا سازی کے جو طریق اس نے قائم کیے ان میں عملی طور پر آج تک کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔

یہ سچ ہے کہ ہانمن کے بعد چند دوا سازوں نے اس کے طریق دوا سازی میں کچھ تبدیلیاں پیدا کیں جن میں سے ایک یا دو مثلاً ڈیسی مل سسٹم کے مطابق ڈائیلوشن تیار کرنا، لیکن یہ طریق در حقیقت کوئی تبدیلی نہیں بلکہ تجدید ترقی کہی جا سکتی ہے۔ پس بحالت مجموعی یہ ثابت ہو چکا ہے کہ جہاں تک دواؤں کی تیاری سے اصل اصول کا تعلق ہے ہانمن کے مجوزہ طریق ہی بہترین ہیں۔ اس معاملہ پر مختلف ممالک کے قرابادینوں Pharmacopoeas میں اچھی طرح غور و خوض اور بحث کی گئی ہے۔ ان میں سے بہترین برٹش ہومیوپیتھک سوسائٹی، امریکن انسٹی ٹیوٹ آف ہومیوپیتھی اور جرمنی کے ڈاکٹر شوابی کے قرابادین ہیں۔ ہومیوپیتھ کو ہمیشہ اور ہر جگہ اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ دواؤں کی تیاری میں مناسب صحیح اور احتیاط ویسی ہی برتی جائے جیسی ہانمن اور اس کے جانشینوں نے تندرست انسانی جسم پر اعلیٰ درجہ کے تجربات کرتے وقت مقرر کی تھی۔

ہومیوپیتھک دواؤں کے فطری اوصاف

آخر ہومیوپیتھک دواؤں کی فطری صفات کیا ہیں؟ وہ دیکھنے میں کس چیز سے مشابہت رکھتی ہیں؟ وہ کیسے تیار کی جاتی ہیں؟ ذیل میں ان باتوں کا مختصراً ذکر کیا جائے گا۔ (مکمل دوا سازی سیکھنے کے لیے کتب متعلقہ دوا سازی مطالعہ کرنا چاہیے)

ہومیوپیتھک استعمال کی دوائیں جڑی بوٹیوں، حیوانات اور معدنیات سے حاصل کی جاتی ہیں۔ مثلاً ایکونائٹ پہلی، ایپس دوسری اور سلفر تیسری جنس سے حاصل کردہ دوائیں ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ اور دوائیں بھی بغرض شفا بخشی استعمال کی جاتی ہیں جو ٹبرکولینم کی طرح جرثومہ یا دیگر مواد کو خشک اور احتیاط سے سفوف کر کے تیار کی جاتی ہیں۔

جڑی بوٹیاں اور چند دوسری حیوانی قسم کی اشیاء جو حتی الامکان تازہ ہونی چاہئیں خاص طریقوں کے مطابق الکحل میں خاص دنوں تک بھگو رکھنے کے بعد ٹنکچر کی صورت میں تیار کر لی جاتی ہیں۔ جب کہ معدنی اشیاء اور چند دوسری ویسی ہی چیزیں بڑے بڑے چینی

کے کھرلوں میں شوگر آف ملک کے ساتھ بار بار رگڑ کر تیار کی جاتی ہیں۔ ٹنکچروں سے آگے الکحل ملا کر ڈائیلوشن تیار کیے جاتے ہیں اور سفوف مقررہ تناسب یعنی ایک اور دس یا ایک اور سو کی نسبت سے دوا اور شوگر آف ملک ملا کر کھرل کرنے سے بنائے جاتے ہیں۔

ڈیسی مل سکیل کی آمیزش والا طریقہ

عموماً ایک اور دس کی آمیزش والا طریقہ بہت مفید ثابت ہوا ہے اور زیادہ استعمال کیا جاتا ہے۔ اس طریق کی تفصیل یوں سمجھئے۔

سفوف یا عرق نمبر ۱ جو x۱ سے ظاہر کیا جاتا ہے ۱۰/۱ کی طاقت رکھتا ہے۔
سفوف یا عرق نمبر ۲ جو x۲ سے ظاہر کیا جاتا ہے ۱۰۰/۱ کی طاقت رکھتا ہے۔
سفوف یا عرق نمبر ۳ جو x۳ سے ظاہر کیا جاتا ہے ۱۰۰۰/۱ کی طاقت رکھتا ہے۔
سفوف یا عرق نمبر ۴ جو x۴ سے ظاہر کیا جاتا ہے ۱۰۰۰۰/۱ کی طاقت رکھتا ہے۔
سفوف یا عرق نمبر ۵ جو x۵ سے ظاہر کیا جاتا ہے ۱۰۰۰۰۰/۱ کی طاقت رکھتا ہے۔
سفوف یا عرق نمبر ۶ جو x۶ سے ظاہر کیا جاتا ہے ۱۰۰۰۰۰۰/۱ کی طاقت رکھتا ہے۔
اس سے آگے بھی اسی طرح طاقت تیز سے تیز تر ہوتی جاتی ہے۔

سنٹیسی مل سکیل یا ۱ اور ۱۰۰ کی آمیزش والا طریقہ

سنٹیسی مل سکیل کی رو سے جس پر خود ہانمن عامل تھا دوائیں ایک اور سو کی نسبت سے تیار کی جاتی ہیں۔ اس طریقہ پر تیار شدہ دواؤں کی طاقت کا اندازہ صرف ۱، ۲، یا ۳ اکیلے ہندسوں سے شمار کیا جاتا ہے مثلاً ایکونیٹم ۳۔

مشہور ہومیوپیتھک خشخاس کے برابر گولیاں عام شکر سے بنائی جاتی ہیں۔ یہ گولیاں اول دوا میں تر کر کے خشک کر لی جاتی ہیں۔ چونکہ بہت سی گولیوں کو تر کرنے کے لیے دوا کے صرف چند قطرے ہی درکار ہوتے ہیں لہٰذا گولیوں میں دوا کی طاقت دوا کے اصل ڈائیلوشن سے بہت کم ہوتی ہے۔ گولیاں اکثر بچوں اور کم سن لڑکے اور لڑکیوں کے لیے استعمال کی جاتی ہیں بڑوں کے لیے عموماً دواؤں کے ڈائیلوشن اور سفوف برتے جاتے ہیں۔ فنی اسباب کی بنا پر یہ گولیاں x۳ طاقت سے کم استعمال نہیں ہو سکتیں۔ ٹکیاں جن میں سے ہر ایک مقررہ مقدار (۲/۱ ۱گرام تقریباً ۳ گرین) کی ہوتی ہے زیادہ آسانی سے استعمال کی جا

سکتی ہیں۔

پس ہومیوپیتھی میں کثیر استعمال دوائیں یہ ہیں

(۱) تازہ پودوں سے کشید کیے ہوئے جوہر

(۲) خشک پودوں سے تیار کردہ مدر ٹنکچر

(۳) ڈائیلوشن یا محلول بعض اوقات ٹنکچر بھی

(۴) سفوف

(۵) گولیاں

(۶) ٹکیاں

(۷) بیرونی استعمال کے لیے ٹنکچر اور مرہم

ہومیوپیتھک دوائیں کہاں سے حاصل کی جائیں۔

ہومیوپیتھی میں قابل اعتبار دوائیں حاصل کرنا اہم ترین مسئلہ ہے۔ یہ دوائیں جب بااحتیاط تیار نہ ہوں تو کوئی فائدہ نہیں دیتیں۔ بد قسمتی سے یہ حقیقت تجربہ شدہ ہے کہ غیر محتاط دوا ساز اپنے ہاں دوائیں تیار کرنے میں خالص الکوحل یا شوگر آف ملک استعمال نہیں کرتے کیونکہ ان کو یقین ہے کہ ہومیوپیتھی میں اصل چیز کو پہچاننا اور فریب کاری کا سراغ لگانا ناممکن ہے۔ بے شک اعلی طاقت کے ڈائیلیوشن کے اندر کھوٹ معلوم کرنا ایک ناواقف یا نو آموز آدمی کیلئے نہایت مشکل امر ہے۔ جبکہ ادنی طاقت کے ڈائیلیوشنوں اور سفوفوں میں چند علامات ایسی معلوم ہو سکتی ہیں جن سے ایک کم تجربہ کار دواساز کو بھی اصلیت کا پتہ لگ جاتا ہے کہ دوا کہاں تک خالص ہے۔ مثلاً بہت سے ٹنکچروں اور ڈائیلیوشنوں کو انکے رنگ و بو اور ذائقہ سے پہچانا جا سکتا ہے۔ مثلاً ایلوز نمبر ۴x تک ہلکا خاکی زردی مائل رنگ رکھتا ہے۔ ہیپر سلفر ۳x یا ۴x سفوف تک بھی ہائیڈروسلفیوریک ایسڈ کا ذائقہ موجود رکھتا ہے۔ مرکیورس سالوبس ۳x سفوف میں بھورا اور خاکستری اور اینٹی مونیم سلفوریٹم آرٹیم خوبصورت سرخی مائل زرد رنگ کا ہونا چاہیے۔ پس یہ مناسب ہے کہ جب کسی دوا ساز کو ہومیوپیتھک دواؤں کا آرڈر دیا جائے تو شیشی پر دوا کا نام اور دوا کی طاقت درج کی ہوئی اچھی طرح دیکھ لینی چاہیے۔ دواؤں کی مندرجہ بالا ہلکی طاقتوں سے بلند طاقتیں کیمیاوی اور خوردبینی امتحانات و تجربات سے پرکھی جا سکتی ہیں۔

اگر آس پاس کوئی معتبر ہومیوپیتھک دواساز ہو تو مطلوبہ دوا اس سے حاصل کرنی چاہیے

کیونکہ یقیناً اسکے ہاں سے تازہ دوا مل سکے گی۔ اور تازہ دوا جیسا کہ بتایا جا چکا ہے موثر ہوتی ہے۔ اگر نزدیک کوئی دوا ساز نہ ہو تو پھر مناسب یہ ہے کہ دوا کا آرڈر کسی بڑے ہومیوپیتھک سٹور یا اسکے نمائندے کو دیا جائے یا ایک ہی بار دواؤں کا بنا بنایا صندوقچہ خرید لیا جائے۔ جس میں چھتیس یا چوراسی دوائیں بصورت ڈائیلیوشن یا سفوف موجود ہوتی ہیں۔ یہ کثیرالاستعمال دوائیں Polychrest Medicines کہلاتی ہیں جو امراض حاد و مزمن میں یکساں طور پر نہایت کار آمد ہوتی ہیں۔ ادنی طاقت کی دوائیں (Lower Potencies) کسی ماہر فن کی نگرانی کے بغیر بہت خطرناک ثابت ہو سکتی ہیں اور زہریلی علامات بھی پیدا کر سکتی ہیں۔ اسلئے ان کی خرید صرف بااعتبار دواساز سے ہی کرنی چاہیے۔

ہومیوپیتھک دواؤں کو گھر یا شفاخانہ میں رکھنا کس طرح چاہیے۔

ہومیوپیتھک دواؤں کو بڑی صفائی سے رکھنا چاہیے۔ استعمال کے بعد شیشی پر فوراً کارک لگا دینا چاہیے۔ ورنہ دوا کا عرق جلد اڑ جائے گا۔ کیونکہ اس میں موسمی گرمی سے بخارات بن کر اڑ جانے کی اہلیت بہت زیادہ ہوتی ہے شیشیاں سیدھی کھڑی رکھنی چاہئیں، تاکہ کارک لگاتار دوا سے لگا رہ کر دوا جذب نہ کرتا رہے دوائیں سرد خشک جگہ رکھنی چاہئیں۔ ان پر دھوپ، مضر صحت بخارات یا خوشبو اور بدبو کا کوئی اثر نہ ہونا چاہیے۔ اگر ہومیوپیتھک دوائیں ان ہدایات کی مطابق رکھی جائیں تو وہ اپنی تاثیر دیر تک قائم رکھ سکتی ہیں۔ البتہ چند ادنی طاقت کی ڈائیلیوشن جو آب مقطر سے تیار کیے جاتے ہیں اس اصول سے مستثنیٰ ہیں اور وہ بار بار اور تازہ تیار کرنی چاہئیں۔ اکثر ٹنکچر سفوف اور گولیاں عرصہ تک رکھی جا سکتی ہیں۔ ٹنکچر یا عرق جن کا رنگ سرمئی یا دھندلا ہو جائے یا ان کی تہہ میں تلچھٹ گاد وغیرہ بیٹھ جائے ایسے سفوف جن میں پھپھوندی کی بو آنے لگے، وہ گولیاں جو ٹوٹ ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہونی لگیں، اور زرد ہو جائیں یہ سب اشیاء خراب اور ناکارہ سمجھنی چاہئیں اور ان کی جگہ نئی دوائیں مہیا کرلینی چاہئیں۔

ہومیوپیتھک دوائیں استعمال کرنے اور کھانے کا طریقہ

باقاعدہ تیار کی ہوئی اور موثر ہومیوپیتھک دوائیں پاس رکھنا ہی کافی نہیں بلکہ بیماری کی حالتوں میں تسلی بخش شافی نتائج حاصل کرنے کے لئے دوا "اصول مشابہت" کے مطابق

دوا کا انتخاب کرنا بھی ایک اہم فرض ہے۔

تشخیص المرض

وہ اثر جو مطلوبہ دوا تندرست انسانی جسم پر رکھتی ہے، جیسا کہ تجربہ سے ظاہر ہو چکا ہو، حتی الامکان اس مرض یا بیماری کی علامتوں سے مشابہ ہونا چاہیے، جس کو صحت یاب کرنے کے لیے وہی دوا جاری ہو۔ اس مشابہت میں باطنی اور ظاہری دونوں قسم کی علامات شامل ہونی چائیں سبب مرض بھی اور متعلقہ واقعات بھی۔ مثلاً مدت مرض پر توجہ دینی بڑی لازم ہے۔ مثلاً مرض کا آغاز عروج اور تنزل نیز اس کے فوری اور دور دراز پرانے اسباب، مرض کی چھوت، دماغی خلجان، ضرب، چوٹ، سردی، علامات کی ماہیت، درد، دل دھڑکنا، کھانسی، تکلیف کا مقام، معدہ، سینہ، سر درد کی نوعیت (مدھم، تیز، کاٹتا ہوا) تبدیلی یعنی تکلیف میں کمی یا زیادتی کا سبب، خاص باتیں مثلاً عمر، جنس، مزاج اور بیرونی موسمی تاثرات جو ورزش کی طرح، اندرون خانہ یا بیرون خانہ رہنے سے مریض پر کسی نہ کسی طرح اثر ڈالتے ہوں۔ یہ سب امور صحیح دوا وثوق سے تجویز کرنے کے لیے اشد ضروری ہیں۔ بدیں غرض پچاس کثیرالاستعمال دواؤں کے خواص کا مطالعہ تو ہر ہومیوپیتھ کے لیے ضروری ہے۔ان پچاس دواؤں کے خواص آخر کتاب میں علیحدہ کر دیئے گئے ہیں۔ مزید وسعت علم کے لیے ہماری دوسری کتاب خواص الادویہ ہومیوپیتھی مطالعہ فرمائیے۔

خوراک دوا کا مسئلہ

ہومیوپیتھک دواؤں کی خوراک کے متعلق معلوم ہونا چاہیے کہ ہومیوپیتھی میں دوسرے طریقہ ہائے علاج کی طرح کوئی باقاعدہ یا معیاری خوراک مقرر نہیں یعنی کوئی ایسی خوراک مقرر نہیں جو ہر حالت موزوں ہو کم و بیش اثر پذیری کا رجحان، مزاج، عمر، جنس، مریض کے رہنے سہنے کا طریقہ، فطرت، بیماری کی مدت اور ماؤفہ مقام اور ایک ہی دوا کا مختلف طاقتوں میں استعمال یہ سب یکساں طور پر اہم نکات ہیں جو دوا منگاتے وقت زیر غور رہنے چاہئیں۔ پس ہم کسی طاقت دوا کے مخصوص استعمال کا مشورہ نہیں دے سکتے۔ بہر حال دوا کی ادنیٰ یا اعلیٰ طاقت کا استعمال مرض کی شدت اور حالت کے مطابق ہونا چاہئے۔ بعض مریض ذکی

الحس ہوتے ہیں۔ انہیں اعلیٰ طاقت کی دوا احتیاط سے دینی چاہیے تاکہ مرض میں شدت پیدا نہ ہو۔ اسی طرح گنوار طبیعت کے مریضوں میں ادنیٰ طاقت کی دوا احتیاط سے استعمال کرنی چاہیے تاکہ ان میں بھی تکلیف کا اضافہ نہ ہو اور معالج خواہ مخواہ بدنام نہ ہو جائے۔

طاقت دوا کا مسئلہ

ایک عام قاعدہ ہے کہ بچوں اور زود حس اشخاص خصوصاً عورتوں کے لیے دوا کی اعلی طاقتیں مفید ہوتی ہیں۔ جبکہ بڑوں اور کم زود حس مریضوں کے لیے ادنیٰ طاقتیں اسی طرح خطرناک امراض جو جلد مریض کا کام تمام کر دیتے ہیں اور ایسے مریض جو دوا کا اثر آہستہ آہستہ قبول کرتے ہیں، دوا کی ادنیٰ طاقت چاہتے ہیں۔ جبکہ طویل بیماریوں اور نہایت زود حس مریضوں کا علاج دوا کی اعلیٰ طاقتوں سے کیا جانا چاہیے۔ لیکن یہ عام قاعدے استثنیٰ کے بغیر نہیں ہیں۔ اس معاملہ کا فیصلہ اکثر حالتوں میں ہومیوپیتھک معالج اپنے تجربہ سے کر سکتا ہے۔ جو یہ بھی جانتا ہو کہ بعض حالتوں میں دو یا زیادہ دوائیں بدل بدل کر دینے سے مریض جلد شفایاب ہو سکتا ہے۔

ہومیوپیتھک دوائیں کھانے کی ہدایات

(۱) سیال دوائیں (ڈائیلوشن یا ٹنکچر) چند قطرے عموماً دو سے پانچ تک ایک چمچ تازہ خالص پانی میں ڈال دو اور فوراً مریض کو پلا دو۔

(۲) دواؤں کے سفوف = چاقو کی نوک پر جتنا سفوف رکھا جا سکتا ہے۔ اتنا زبان پر ڈال لیں (یہ مقدار ۱۰؍۱ گرام تقریباً ۳ گرین ہوتی ہے) جب زبان پر سفوف اچھی طرح جذب ہو جائے تو تھوڑا سا پانی پلا دیں۔ اس طرح دوا منہ کی لعاب دار جھلی کے اعصاب کے ذریعے اپنا اثر شروع کر دیتی ہیں۔

(۳) گولیاں اور ٹکیاں = یہ نسخہ کے مطابق (بالعموم ۵ گولیاں یا ایک ٹکی) کھانی چاہئیں۔

دواؤں کا اثر اس وقت زیادہ ہوتا ہے جب وہ تمام کھانا کھانے سے پہلے کھائی جائیں۔ گولیاں یا ٹکیاں بھی پہلے زبان پر رکھ کر چوس لینی چاہئیں اور بعد میں دو گھونٹ پانی پلا دینا چاہیے۔

اعادہ دوا یا دوا کا دہرانا = خوراکوں کا اعادہ مرض کی مدت پر موقوف ہے۔ حاد یا

شدید مرض یا ایسی بیماری میں جس میں بخار بھی ہو۔ خوراک ہر گھنٹہ یا دو دو گھنٹہ کے بعد دینی چاہیے حتیٰ کہ تکلیف میں افاقہ ہونا شروع ہو جائے۔ پھر دوا کا وقفہ طویل کر دینا چاہیے۔ خطرناک بیماریوں مثلاً خناق یا ہیضہ میں خوراک ہر پانچ یا دس منٹ بعد دینی چاہیے ایسی صورتوں میں معالج اکثر دوا کی مناسب مقدار تجویز کرتا ہے' یا پانی کی خاص مقدار میں مجوزہ دوا کے قطروں کی مطلوبہ مقدار ملا دیتا ہے پس حسب ہدایت دوا کا ہر چمچ جو مریض تھوڑی تھوڑی دیر بعد پیتا ہے مجوزہ خوراک دوا کا حامل ہوتا ہے۔

مزمن امراض میں یعنی پرانی لمبی بیماریوں میں یا شدید بیماریوں کے بعد شفایابی کی حالت میں بڑے آدمیوں کو عام طور پر روزانہ دو تین خوراکیں' بچوں کو ایک دو خوراک کھانی چاہیے۔ لیکن یہ خوراکیں بھی شائد بہت زیادہ ہوں' کیونکہ تجربہ بتاتا ہے کہ مناسب دوائیں خصوصاً جب وہ بڑی طاقتوں میں دی جائیں یا حساس مریضوں کو استعمال کرائی جائیں تو بار بار دہرانی نہیں چاہئیں ۔ مزمن امراض میں بعض وقت یہ طریقہ مفید ہوتا ہے کہ تین چار بلکہ آٹھ روز تک دوا بالکل روک دی جائے اور دوا کو کام کرنے کے لیے وقت دیا جائے اور جسم کو مہلت دی جائے کہ دوا کے اثر کو قبول کرنے کی اہلیت حاصل کرے۔

اس غرض سے کسی مزمن مرض میں دوا جلد نہیں بدلنی چاہیے۔ ہاں اگر دوا دینے کے کچھ عرصہ بعد مریض کی حالت میں قطعی کوئی تبدیلی یا بہتری نظر نہ آئے تو پھر دوا کے تبدیل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اس کے برعکس شدید یا خطرناک بیماری میں حد سے زیادہ انتظار نہیں کرنا چاہئے۔ ایسی حالت میں اگر پہلی دوا بے اثر ثابت ہو تو اس کی جگہ دوسری دوا جو مریض کے مناسب حال ہو دے دینی چاہیے۔

فلسفہ علاج بالمثل

مرض کی ماہیت اور اس کے علاج کے متعلق ہانمن نے ہمیں کیا ہدایات دیں اور اگر یہ ہدایات درست ہیں' اور ان ہدایات پر سختی سے عمل کیا جائے تو ہم علاج کے علم و فن میں کیا کچھ کامیابی حاصل کرنے کی توقع کر سکتے ہیں ؟ یہ سب باتیں ہانمن کی ہدایات کے مطابق عمل کرنے سے عملی طور پر ہی سمجھ میں آ سکتی ہیں۔

ہانمن کا مفہوم سمجھنے اور اس کی تعلیم پر عمل کرنے کے لیے تین باتوں کا جاننا اشد ضروری ہے:-

(۱) مرض کی ماہیت۔

(۲) دواؤں کے عمل تقویت Potentization کا قانون۔

(۳) اور ہانمن کی تصنیف خواص الادویہ "میٹریا میڈیکا پیورا" کا مکمل علم۔

اب ہم ان تینوں عنوانوں کے متعلق بالتفصیل بیان کریں گے۔

مرض کی ماہیت The Nature Of Disease

مذکورہ بالا تین نکات وہ بنیادی اصول ہیں جن پر ہانمن کے بیان کے مطابق علم العلاج کی ساری عمارت قائم ہے۔ آرگینن کے پہلے ہی پیراگراف میں ہانمن لکھتا ہے "معالج کا بلند و واحد مقصد یہ ہے کہ مریض کو صحت یاب کرے یا جیسے کہ فن طب کی اصطلاح میں مشہور ہے مریض کو مکمل شفا دلائے۔"

یہ تین ستون یعنی بنیادی اصول (اب ہم ان تین نکات کو آئندہ اسی نام سے پکاریں گے) مستحکم مربوط اور غیر متحرک و غیر متزلزل طور پر، مشابہت کے سب سے بڑے قانون سے پیوست ہیں۔ علاوہ ازیں آئندہ بیان سے قبل یہ حقیقت بھی ہم نہایت پر زور طریقہ سے واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ ہانمن نے یہ ہمیں سکھایا اور ثابت کیا کہ "تقویت دوا" اور "مشابہت" دونوں فطرت کے سب سے بڑے قوانین ہیں۔ جو محض قیاسی ہدایات و فرمودات ہی نہیں بلکہ ثابت کردہ واقعات ہیں اور بجائے خود ایسے یقینی اور قابل اعتبار مشاہدات ہیں جیسا کوئی دوسرا قانون فطرت، خواہ فلسفہ فطرت میں ہو یا علم سکون و حرکت Mechanics علم کیمیا، علم مناظرہ و مرایا یا کسی اور دنیوی علم میں۔

ماہیت مرض = ماہیت مرض کے متعلق ہانمن آرگینن میں اس طرح رقمطراز ہے:۔

انسان کی تندرست حالت میں روحانی قوت حیات بغیر کسی فاسد اثر اور تاثیر کی رکاوٹ کے مطلق العنان ہو کر بدن پر تصرف کرتی ہے۔ یہ حیاتی افعال میں توازن برقرار رکھتی ہے احساس اور عمل طبعی ہوتا ہے۔ انسان اپنے آپ کو اچھا محسوس کرتا ہے۔ دماغ سوچ بچار کے قابل ہوتا ہے۔ حواس درست اور مستعد رہتے ہیں۔ حسیات کے تصورات صحیح اور درست ہوتے ہیں۔

احساس مرض = بیماری کے دوران میں قوت حیات بگاڑ کی حالت میں فاسد قوت کے زیر اثر زندگی کے افعال کو بے قاعدہ کر دیتی ہے جس سے احساس اور افعال غیر طبعی ہو جاتے ہیں، انسان اچھا محسوس نہیں کرتا، طبیعت افسردہ اور مضمحل رہتی ہے، توجہ کا میلان اعضاء کے بے قاعدہ افعال کے گمراہ کن احساسات کی طرف ہو جاتا ہے، جو کہ طبعی حالت یعنی

صحت میں بالکل محسوس نہیں ہوتا۔

پس بیماری کی حالت میں زندگی کا اصل احساس (لطف) جاتا رہتا ہے اور دماغی تصورات گمراہ ہو جاتے ہیں۔ یہ صورت حال روحانی اور جسمانی لازم و ملزوم تعلق کو نہایت واضح طور پر ظاہر کرتی ہے۔ کیونکہ جسم باطنی (فاعلی) طور پر پہچانا جاتا ہے۔ ظاہری (مفعولی) طور پر نہیں۔

جسم قوت حیات کے بغیر بے شعور' بے حس اور مردہ ہوتا ہے۔ چنانچہ قوت حیات کو جسم سے علیحدہ ثابت کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ زندگی کے لیے یہ دونوں (قوت حیات اور جسم) لازم و ملزوم ہیں اور بحالت زندگی انہیں ایک ہی شے شمار کرنا چاہیے۔ یہ علیحدہ نہیں ہو سکتے در حقیقت حس زندگی کا اظہار ہے نہ کہ زندگی حس کا۔

علامات کی تعریف = جب خود بخود کام کرنے والی قوت حیات کے ساتھ فاسد اثر شامل ہو جاتا ہے تو بیماری کے غیر طبعی عمل اور احساس کا اظہار ہونے لگتا ہے۔ اسی کا نام بیماری کی علامات ہیں جو قوت حیات کے بگاڑ کو ظاہر کرتی ہیں۔

تعریف مرض = اب ہم مرض کی تعریف پر جو ہانمن نے بیان کی ہے غور کریں گے۔ یہ زیادہ اختصار سے صرف دو لفظوں میں بیان کی جا سکتی ہے "قوت محرکہ Dynamis کا درہم برہم ہو جانا۔" یہ قوت محرکہ کیا چیز ہے؟ ایک غیر مرئی طاقت ہے جو ہمارے جسم کو محرک کرتی ہے۔ یہ اپنے اثرات سے ہی پہچانی جاتی ہے اور جسے ہم زندگی کہتے ہیں۔ عوام سمجھتے ہیں کہ تلی یا جگر کا بڑھ جانا یا کمزور ہو جانا مرض ہے کیونکہ جدید پیتھالوجی یعنی علم الابدان یا اعضاء میں مرض کی تعریف اسی طرح کی گئی ہے۔ لیکن یہی تو سب سے بڑی غلط فہمی ہے کیونکہ مرض تو در حقیقت قوت حیات کا وہ بگاڑ ہے جس کے سبب تلی جگر یا معدہ تکلیف میں مبتلا ہوا ہے ورنہ ان اعضاء کا کیا قصور؟ سبب مرض تو قوت حیات کا درہم برہم ہونا ہے اور اسی کے علاج سے شفا بھی ہو سکتی ہے' ورنہ علم الابدان کے نظریہ پر مریض کی کوئی دوا نہیں ہو سکتی۔ اس حقیقت کو سمجھانے کے لیے ہم ذیل میں ایک مثال پیش کرتے ہیں:۔

☆☆☆ مثال (ا) چند سال ہوئے ہمیں ایک بوڑھے مریض کو دیکھنے کا اتفاق ہوا جس کو پیچش کی قسم کے دست آ رہے تھے۔ اس کی عام علامتوں میں کوئی خاص بات نہ تھی۔ دستوں کے ساتھ درد بھی تھا۔ پاخانہ سخت اور بندھا ہوا آتا تھا۔ لیکن ایک خصوصیت تھی۔

پاخانہ میں کسی قسم کی بدبو مطلق نہ تھی۔ ہم نے اس کے متعلق مریض کی بیوی سے دریافت کیا اور اس جواب دیا کہ اس نے بھی محسوس کیا ہے لیکن اس تشخیص پر بیوی کو حیرت ضرور ہوئی کیونکہ بات ہی انوکھی تھی۔ مرحوم ڈاکٹر ویلز دست اور پیچش کی ایک مختصر سی ریپرٹری میں "بے بو پاخانہ" کے عنوان کے تحت میں ایتھوزا' اسارم' برومیم' بایوسائنمس' پلسا ٹیلا اور رہس ٹاکس کا ذکر کرتے ہیں۔ مریض میں دماغی اور جسمانی بے چینی بھی پائی جاتی تھی پس فوراً ہماری توجہ رہس ٹاکس کی طرف گئی اور ہم نے ایک خوراک رہس ٹاکس نمبر200 دی جس سے مریض کو بہت جلد آرام ہو گیا۔

☆☆☆ مثال (۲) ایک اور مریض کا حال جو ایسے ہی ایک مزمن مرض میں غیر مادی علامات کی اہمیت ظاہر کرتا ہے حسب ذیل ہے۔

ادھیڑ عمر کی ایک مفلس شرابی عورت جس کا حیض چند ماہ سے بند تھا اول ایلوپیتھک اور پھر ہومیوپیتھک علاج کراتی رہی۔ یہ علاج ماوفہ اعضاء کو درست کیے جانے کے غلط طریقہ علاج پر کئے گئے اور اس لئے کامیاب نہ ہوئے۔ مریضہ کو کھانسی' عارضہ قلب' پیٹ اور رانوں کا ورم تھا اور ہمیں بتایا گیا کہ حیض شروع ہونے کی عمر سے اس کو ہمیشہ یہ شکایت رہی کہ ایام حیض میں درد سر میں مبتلا ہو جاتی تھی۔ طبیعت افسردہ اور اداس رہتی تھی۔ اور دل دھڑکتا تھا اور جب سے حیض بند ہوا تھا درد سر برابر رہتا تھا اور بعض اوقات سر کا درد بالکل ویسا ہی ہوتا تھا' جیسا حیض کے دنوں میں۔ پس ایک خاص قسم کا درد سر جس کے ساتھ چند دوسری شکائتیں تھیں اور تکلیف ماہواری ایام کے مطابق دورہ دار ہوتی تھی نیٹرم میور کا خیال دلاتا تھا۔ چنانچہ انہیں غیر مادی علامات کی بنا پر ماوفہ اعضاء کی شکل و صورت کو نظر انداز کرتے ہوئے بعض باطنی احساسات کے اظہار پر نیٹرم میور نمبر30 کی ایک خوراک دے دی گئی جس سے جسمانی تکلیفوں کو فوراً تسکین ہو گئی۔ پیٹ کا ورم' پیٹ کی جلد کی سرخی یکسر جاتی رہی اور درد سر میں بھی کمی ہوتی گئی۔ تقریباً نو روز کے بعد جب آفاقہ ہوتے ہوتے رک گیا نیٹرم میور 30 کی ایک خوراک اور دے دی گئی۔ اور پھر لائیکوپوڈیم دیا گیا کیونکہ علامات لائیکوپوڈیم کی پیدا ہو گئی تھیں۔

نتیجہ یہ ہوا کہ خستہ حال عورت پھر اپنے قدموں پر کھڑی ہو گئی اور تقریباً بارہ ماہ بالکل اچھی رہی' البتہ بگڑے ہوئے پھیپھڑے اور کمزور دل تندرست حالت پر نہ آ سکے اور جب کھانسی کا دوسرا حملہ ہوا تو غربت کے باعث وہ ایک خیراتی شفاخانہ میں جانے پر

مجبور ہوئی جہاں وہ جلد ہی مر گئی۔

اس آخری مثال سے دلچسپ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حیض سے متعلق درد سر کا علاج اگر شروع شباب ہی میں نیٹرم میور سے کیا جاتا، جیسا کہ غیر جسمانی، عضوی علامات نیٹرم میور کا تقاضا کرتی ہیں، تو کیا وہ عورت ان تمام دوسری بیماریوں کی تکلیف حتیٰ کہ شراب خوری کی بد عادت سے بھی محفوظ نہ رہ سکتی تھی؟ یقیناً ایسے ہو سکتا تھا، اگر مریضہ کے پہلے معالج ماہیت مرض کو سمجھتے اور ہومیوپیتھک اصول کے مطابق باطنی احساسات و علامات کی بنا پر دوا دیتے۔

اب ہم اصل معاملہ کی طرف لوٹتے ہیں کہ ظاہرہ (مفعولی) علامات کا مظہر (مثلاً کسی عضو کا بڑھ جانا یا بدنما ہو جانا یا کسی جسمانی ساخت کا بگڑ جانا جو کہ خود معالج ہی دیکھ کر معلوم کر سکتا ہے اور جو مریض کی موجودہ حالت کی تشکیل مکمل کرنے کے لیے نہایت ضروری ہے) دراصل مرض نہیں ہے اور یہ پہلو علاج کا حقدار ہے اس کے برخلاف باطنی (فاعلی) علامات کا مظہر جس کے متعلق صرف مریض ہی اپنے اندرونی احساسات وغیرہ بتا سکتا ہے اصل مرض کو پیش کرتا ہے اور قابل علاج بھی یہی مظہر ہے کیونکہ اس میں مریض کی انفرادیت پائی جاتی ہے اور اس میں جسمانی رد و بدل اور مادیت کو کوئی دخل نہیں۔

سورا سبب مرض = امراض مزمنہ Chronic Diseases کی پہلی جلد میں صفحہ ۲۱، ۲۲ پر ایسے امراض کی فہرست دی گئی ہے جو عام طور پر علم الاعضاء Pathology کی رو سے نامزد کیے جاتے ہیں۔ ان میں سے سوائے چند ایک کے باقی سب کے بارے میں یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ یہ سورا Psora سے پیدا ہوتے ہیں اور انکا سبب سورا ہے۔ مطلب اور لب لباب یہ کہ "تقریباً ساری خارجی بناوٹیں" اور "جسم و روح کی تکلیف دہ بیماریاں" سب سورا سے ہی پیدا ہوتی ہیں۔ پھر امراض مزمنہ میں صفحہ نمبر۲۳ پر لکھا ہے کہ:۔

"سورا" جو خارش کی بنیاد ہے یہ "سورا" سب سے پرانی ہمہ گیر اور سب سے تباہ کن مرض ہے۔ یہ ان ہزاروں حیرت انگیز طور پر مختلف حاد اور مزمن غیر جماعی امراض کا سبب بن گئی ہے جن میں روئے زمین پر نوع انسان کا مہذب طبقہ زیادہ سے زیادہ مبتلا ہوتا چلا جاتا ہے۔

انکشاف حقیقت سورا= "سورا" کے اصول کے انکشاف کے متعلق ہانمن امراض مزمنہ جلد اول صفحہ ۱۶ پر لکھتا ہے:-

"اس صورت میں جبکہ پرانی علامتیں جو ہومیوپیتھک علاج سے ایک دفعہ رفع ہو گئی ہوں۔ مندرجہ بالا اسباب میں سے کسی ایک سبب سے (مثلاً کھانے میں بے اعتدالی یا خرابی موسم وغیرہ) پھر نمودار ہو گئیں تو وہ دوا جو پہلے استعمال کی تھی اس نے پھر آرام دیا اگرچہ کم۔ اور تیسری مرتبہ دیئے جانے پر اور بھی کم فائدہ پہنچایا۔"

اسی طرح صفحہ ۱۷ پر لکھا ہے کہ۔

"پھر کیا وجہ تھی کہ غیر جماعی Non Venereal مزمن امرض کا مسلسل ہومیوپیتھک علاج ایسا ناکام رہا؟ ہومیوپیتھی کیوں ہزاروں مریضوں کے ان مزمن امراض کو ہمیشہ کے لیے دور کرنے میں ناکام رہی۔"

آگے صفحہ ۱۸ پر لکھا ہے:-

حل مشکلات اور خدا کا شکر= "اس سوال کا صحیح جواب دینے کی کوشش میں مجھے مزمن امراض کی ماہیت دریافت کرنے میں مشغول رہنا پڑا۔ یہ سبب معلوم کرنے کے لیے میں شب و روز مصروف رہا۔ میں نے کوشش کی کہ زیادہ صحیح اگر ممکن ہو سکے تو ان ہزاروں مزمن امراض کی حقیقی ماہیت کے متعلق بالکل صحیح خیال حاصل کر لوں جو ہومیوپیتھک اصول کی ناقابل تردید صداقت کے باوجود اچھے نہ ہو سکے اور لو دیکھو کہ تمام اچھائیوں کے دینے والی پروردگار نے مجھے نوع انسان کے فائدہ کی خاطر لگاتار غوروغوض انتھک تحقیق و تفتیش محتاط مشاہدہ اور صحیح ترین تجربات کے بعد اس مشکل مسئلہ کا حل سمجھنے کی صلاحیت بخش دی۔"

اس کے بعد صفحہ ۱۹ پر مشاہدات کا ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:-

"پہلی شرط یہ تھی کہ تمام بیماریاں اور علامات دریافت کی جائیں جو پہلی نامعلوم بیماری میں موجود تھیں۔"

صفحہ ۳۳، ۳۴ پر ہانمن ان بد نتائج کے ثبوت بہم پہنچاتا ہے جو ایلوپیتھک ڈاکٹروں کے ہاتھوں خارش کے دانے دبا دینے سے پیدا ہوتے ہیں۔ ان بد نتائج میں تپ دق، مہلک

پھوڑے، ہڈیوں کی سوجن اور موت شامل ہیں۔

یہاں کوئی شخص یہ سوال کر سکتا ہے کہ کیا ایسے نتائج اس وقت بھی ظہور پذیر ہو سکتے تھے اگر ایسی خارش جلد میں ایک چھوٹا سا جرثومہ جس کو "ایکارس اسکیبیز Acarus Scabies" کہتے ہیں داخل ہونے سے پیدا ہوتی ؟ بے شک تمیں بلکہ اس سے بھی زیادہ مریض موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے ہیں جن کی اسی قسم کی خارش دبا دی گئی تھی۔

اس ضمن میں خود اپنا تجربہ بھی بیان کر دینا چاہیے۔ چند سال ہوئے ایک نوجوان خاتون ہمارے پاس آئی ۔ جس کو پرانی دق تھی۔ اس کی ماں سے بہت سی ملاقاتوں اور تحقیق کے بعد یہ معلوم ہوا کہ جب مریضہ بالکل کمسن ہی تھی، اسکے پاؤں پر خارش کے دانے نمودار ہوئے اور ایلوپیتھک مرہم اور لیپ لگانے سے دب گئے۔ اسکا باپ تپ دق سے مرا تھا تاہم اسکی اور دو بہنوں کو یہ مرض کبھی نہ ہوا تھا۔ گویا جن کی خارش نہ دبی تھی وہ تندرست رہے۔

ہانمن پھر "امراض مزمنہ" کے صفحہ ۲۷ پر ایسی ہی علامات کی ایک اور طویل فہرست دیتا ہے جن کو وہ ثانوی امراض کی جن میں اندرونی "سورا" بالعموم اختتام پذیر ہو جاتا ہے۔ خصوصیات بتاتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ یہ علامات دونوں قسم کی ہوتی ہیں، جسمانی اور غیر جسمانی، لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ یہ ساری علامتیں مزمن متعدی امراض کے بد نتائج ہوتے ہیں۔

آتشک اور سائکوسس = آتشک اور سائکوسس یعنی سوزاک کے زہر کے متعلق صفحہ ۱۳۴ پر آتشک کے ایک مریض کا حال بیان کیا گیا ہے جس کے مرض "سائکوسس" اور "سورا" دونوں شامل تھے۔ چنانچہ اسکے علاج میں ہانمن نے پہلے سورا کا زہر مفقود کرنے کے لیے دوائیں دیں اور پھر دوسرے دو مرضوں یعنی سائکوسس اور آتشک کے لیے۔ لیکن دو مرضوں میں سے اول اسی مرض کے لیے دوائیں تجویز کیں، جسکی علامتیں اس وقت صاف اور واضح تھیں۔ یہ باتیں عملی طور پر کسی کا علاج کرنے اور تجربہ اور مشاہدہ سے ہی تصدیق کی جا سکتی ہیں۔

علاج نیز تشخیص اور انجام مرض کے متعلق ہانمن کی تعلیم میں کافی ہدایات ہیں جن

پر پوری طرح عمل کرنا چاہیے۔ علامات سورا، سائکوسس اور سفلس کے متعلق مفصل مضمون آئندہ صفحات میں دیکھیں۔

عمل تقویت دوا Potentization

اب ہم ہومیوپیتھی کی عمارت کے دوسرے بنیادی اصول کا حال بیان کرتے ہیں، یعنی تقویت دوا کا قانون۔ اس کے متعلق مندرجہ ذیل حوالہ جات پیش کیے جاتے ہیں۔

ملاحظہ ہو "امراض مزمنہ" جلد اول صفحہ ۱۸۶

"ہومیوپیتھک دواؤں کی تیاری کا عجیب اور مخصوص طریقہ ہمیں اس قابل بناتا ہے کہ دوا کی طاقت کو ہم درجہ بدرجہ طاقتور بناتے چلے جائیں اور اسطرح دوائیں وہ شافی اثر حاصل کرلیں جو مرض کی ماہیت کے عین متوازی ہو۔"

پھر صفحہ ۱۸۷ پر لکھتا ہے :-

"وہ تبدیلی جو قدرتی اشیاء مثلاً دواؤں کے خواص میں دواؤں کو کھرل میں کسی سادہ (غیر ادویاتی) سفوف کے ساتھ رگڑنے یا بوتل یا شیشی میں کسی سادہ غیر ادویاتی) سیال کے ساتھ ہلانے اور جھٹکنے سے پیدا ہوتی ہے۔ قریب قریب معجزہ نما ہے۔ یہ انکشاف اور ایجاد ہومیوپیتھی کے ذریعہ ہوئی۔"

"ادویاتی خواص کی اس تبدیلی کے علاوہ دواؤں کی تیاری کا ہومیوپیتھک طریقہ ان کے کیمیاوی خواص میں بھی ایک تبدیلی پیدا کرتا ہے یعنی جہاں خام حالت میں کئی جنسیں مثلاً کئی معدنیات جو خیال کیا جاتا ہے کہ پہلے پانی یا الکحل میں حل نہیں ہوتی تھیں وہاں طریق دوا سازی سے وہ پانی یا الکحل میں بالکل حل ہو جاتی ہیں۔ یہ دریافت جدت فن طب کے لیے نہایت قابل قدر ہے۔"

یہ ہدایت اپنی صداقت کی بناء پر بار بار آرگینن (کلیات ہومیوپیتھی)، کرانک ڈیزیز (امراض مزمنہ) اور میٹریا میڈیکا پیورا (خواص الادویہ) میں دہرائی گئی ہے اور یہ ظاہر کرتی ہے کہ قوت محرکہ Dynamic Power (جو تمام ادویاتی اشیاء میں مخفی اور پنہاں ہے لیکن ظاہر صرف ہومیوپیتھک طریق دوا سازی سے ہوئی یعنی کھرل کرنے اور رگڑنے یا سیال حالت میں ملانے اور جھٹکنے سے) ہانمن کے نقطہ نظر سے علم العلاج کا ایک جزو اور ایک اہم ترین جزو ہے۔ اگر ہومیوپیتھی سے کوئی بڑا کام لینا ہے تو اس جزو کو اہم ترین سمجھنا اور

شمار کرنا چاہیے۔ اس بیان کے بعد لازمی طور پر دوا کی خوراک دہرانے کا سوال پیدا ہوگا جس کا ذکر اگلے صفحات میں زیر عنوان "امراض مزمنہ کے علاج میں احتیاطی تدابیر" میں کیا گیا ہے۔

خواص الادویہ MATERIA MEDICA

اب ہم تیسرے بنیادی اصول خواص الادویہ کا ذکر کرتے ہیں ملاحظہ ہو آرگینن صفحہ ۱۱۳ "دواؤں کے مرض آفریں اثرات معلوم ہونے چاہئیں یعنی جہاں تک ممکن ہو ہمیں وہ اثرات اور تبدیلیاں جو ایک دوا خام صورت میں ایک تندرست انسان میں پیدا کرنے کے قابل ہے معلوم ہونے چاہئیں۔"

اس طرح صفحہ ۱۲۷ پر لکھا ہے "دوائیں مردوں اور عورتوں دونوں پر آزمانی چاہئیں تاکہ صحت میں تبدیلیاں جو تندرست آلات تناسل میں ان دواؤں سے پیدا ہوتی ہیں ظاہر ہو جائیں۔"

آگے صفحہ ۱۲۹ پر لکھا ہے "ایسے خواص الادویہ سے ہر بات جو کہ خیالی یا قیاسی ہے قطعی طور پر خارج ہونی چاہیے، ہر بات خالص، صاف زبان میں احتیاط اور دیانت داری سے بیان ہونی چاہیے۔"

اس موضوع پر یہ بات ہمیشہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ بجز واقعات و حقائق کے کوئی بات بھی قابل قبول نہ ہونی چاہیے اور یہ واقعات سب سے زیادہ حساس بیرومیٹر Barometer یا تھرمامیٹر Thermometer یعنی انسانی جسم کے احسات اور معلومات سے حاصل کرنے چاہئیں۔

اخلاقی و دماغی علامات کی اہمیت

تشخیص و تفتیش مرض کا یہ طریق مندرجہ بالا تعلیم کے عین مطابق ہے کیونکہ اخلاقی و دماغی علامات کو سب سے اہم درجہ حاصل ہونا چاہیے۔ میٹریا میڈیکا پیورا (خواص الادویہ) کی جلد اول میں علامات مندرجہ ذیل ترتیب سے درج کی گئی ہیں۔ دوران سر، دماغ کے نقائص، حافظہ کے نقائص، درد سر، اندرونی و بیرونی، پھر جسمانی علامات شروع ہوتی ہیں جو جسم کے

مختلف حصوں سے متعلق ہیں اور تعداد میں ستاون ہیں چنانچہ ایک نوٹ میں یہ بھی لکھا ہے۔ بے چینی اور رعشہ کی وہ قسمیں جو محض جسمانی ہیں اور دماغ پر اثر انداز نہیں ہوتیں عموماً ٹانگوں، بازوؤں اور عام جسمانی خرابیوں کی علامتوں میں درج کی گئیں۔ آخر میں جو باتیں بیان کی گئی ہیں وہ احساسات میں تبدیلیاں و روحانی بیماریاں ہیں۔ ان بیانوں اور تشریحوں کے مطالعہ اور علم سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اس علم العلاج کو ہر مرض میں کامیابی اور فتح حاصل ہونی چاہیے۔ تشخیص اور علاج میں مادی اور جسمانی تبدیلیوں اور قباحتوں کو کوئی بڑا دخل نہ ہونا چاہیے۔ امراض روحانی ہوتے ہیں اور ہومیوپیتھک دواؤں کا اثر بھی روحانی ہوتا ہے۔ یہ دونوں پہلو خواص الادویہ میں تحقیق شدہ موجود پائے جاتے ہیں۔

تمام دیگر طریقہ ہائے علاج غذائی، کیمیائی، صفائی اور صحت کے متعلق باقاعدگیاں، آب و ہوا کی تبدیلیاں وغیرہ مد و معاون اسباب ہیں لیکن ان کی احتیاط بحالت مجموعی بھی جسم یا دماغ کا ایک مرض بھی کبھی اچھا نہیں کر سکتے اور نہ کر سکیں گے۔ تمام معاون طریقے جو قانون مشابہت کے فعل میں مداخلت نہیں کرتے اور مرض کے بیرونی ظہور مثلاً جلد یا لعابدار جھلیوں کے دانے اور تمام قسم کی رطوبتیں اندرون بدن نہیں دباتے، جائز و روا ہیں اور بجائے خود مفید ہیں اور ضروری ہیں مگر یہ مرض کو کبھی اچھا نہیں کر سکیں گے۔

معالج کے اصل اغراض و مقاصد

علاج کا اصل مقصد کیا ہونا چاہیے اور کن کن نتائج کی توقع کی جا سکتی ہے۔ اگر مرض کا علاج بااصول طور پر مندرجہ بالا ہدایات کے ماتحت کیا ہے تو مندرجہ ذیل چند نتائج ہمیشہ ہمارے پیش نظر ہونے چاہئیں :۔

(۱). مرض کی کامل تباہی۔

(۲). بنی نوع انسان میں قوت حیات کی ترقی۔

(۳). درازی عمر

(۴). لاعلاج اور تکلیف دہ امراض میں بالقصد سہل اور بے ایذا اموات کے اسباب مہیا کرنا تاکہ مرنے والے کو جان کنی کی تکلیف کم از کم ہو۔

(۵). خودکشی کا رجحان کم کیا جائے۔

(۲). جنس تذکیر و تانیث میں خصوصاً طبقہ نسواں میں بانجھ کو دور کرنا۔
☆☆☆ مرض کی کامل تباہی = یہ ظاہر ہے کہ اگر علاج شفابخش ہو، محض مسکن اور مرض کو دبا دینے والا نہ ہو تو دیرپا سے دیرپا اور کہنہ سے کہنہ مرض ضرور اگرچہ آہستہ آہستہ دور ہو جانا چاہیے۔

ہمیں ادھیڑ عمر کے ایک معزز آدمی کا حال یاد ہے جس نے نقرس کے لیے تیس سال علاج کرایا اور پھر ہمارے پاس آیا۔ ہم نے ہانمن کے ہدایات اور اصولوں کے ماتحت دوا انتخاب کر کے دی جس سے جلد ہی مرض کے دوران کا وقفہ بجائے چھ ہفتوں کے، تین ماہ ہو گیا اور دو سال کے علاج سے مرض بالکل جاتا رہا۔

☆ اصل سبب اور حالات کی تلاش = بے شک جیسا کہ ہانمن کا خیال ہے بہت سے مریض ایسے ہوتے ہیں جن میں "مرض کی شکل" ملمع ہو کر دب جانے اور بگڑ جانے کے سبب صحیح دوا دریافت نہیں کی جا سکتی اور اس کے علاوہ قوت حیات بھی ان مریضوں میں اس قدر کمزور ہو جاتی ہے کہ شفایابی کی استعداد کافی نہیں رہتی لیکن اس سے ہومیوپیتھک اصول کی صداقت، کی عظمت میں کوئی کمی نہیں ہوتی اور معالج کو اصل مرض کی تفتیش میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھنا چاہیے جو مرض کو دبانے یا تسکین دینے سے پہلے اصل رنگ میں موجود تھا۔

یہاں ہم اس بات پر زور دینا چاہتے ہیں کہ ان بیانات کو چنداں اہم نہیں سمجھنا چاہیے جو موجودہ زمانہ کے کیمیکل، فزیالوجیکل اور پیتھولاجیکل تجربہ گاہوں سے شائع ہوتے رہتے ہیں۔ ایسے تمام بیانات مرض کے اچھا کرنے میں ناکام رہیں گے کیونکہ ان میں سے کوئی بیان بھی پورے مرض کا لحاظ نہیں رکھتا۔ اگرچہ ان بیانات سے بڑے بڑے دعوے کئے جاتے ہیں اور اپنی حمایت میں بے خطا شفایابیاں بطور ثبوت پیش کی جاتی ہیں لیکن ان شفایابیوں کی حقیقت یہ ہے کہ جہاں بھی اصلی شفایابیاں حاصل ہوئیں وہاں نسخہ میں کوئی جز یا وہ دوا خود (اگر صرف ایک دوا دی گئی ہو) ایسی تھی جو اس مرض کے لیے ہومیوپیتھک اثر رکھتی تھی۔ صرف تاریخ انگلستان میں مرض پسینہ Sweating Sickness کے علاج میں ہومیوپیتھک علاج نے وہ شہرہ آفاق ناموری حاصل کی جو اس طریقہ علاج کی صداقت کی واحد دلیل ہے۔ صرف ہومیوپیتھک دوائیں ہی اس خوفناک مرض میں کامیاب ہوئیں۔

☆☆☆ (۲). بنی نوع انسان کی قوت حیات کی ترقی، (۳). درازی عمر۔
ان ہر دو مقاصد میں اصول ہومیوپیتھی خود گواہ ہے اس میں نہ تو جلاب اور پسینے اور نہ قے

اور فصد کیے جاتے ہیں جن سے قوت حیات کمزور ہو۔

☆☆☆ (۴). لاعلاج اور تکلیف دہ امراض میں بالقصد سہل اور بے ایذا موت کے اسباب مہیا کرنا یہ مقصد بھی حاد اور مزمن حالتوں میں آپ ہی آپ حاصل ہو جاتا ہے کیونکہ ہومیوپیتھک علاج میں مریض کو کسی قسم کی خارجی یا داخلی تکلیف نہیں دی جاتی۔ لاعلاج مریض قدرتی موت مرتے ہیں کاٹ چھانٹ کر موت کے گھاٹ نہیں اتارے جاتے۔

☆ بے درد موت کی مثال = اس سلسلہ میں یہاں ہم ایک خاتون کا حال بیان کرنا چاہتے ہیں، اس کے بائیں پستان میں رسولی تھی۔ قانون مشابہت کے مطابق دوا دینے سے ہم درد رفع کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ زندگی کے آخری چھ ہفتوں میں کوئی ایسی تکلیف نہ تھی جس کے لیے دوا دی جاتی۔ آخر کار وہ کمزوری کی وجہ سے گرتی چلی گئی، قوت حیات جاتی رہی تھی بالاخر مر گئی۔

☆ ایک معزز آدمی کو جس کی عمر اناسی سال ہوگی اسے کھانسی اور دمہ تھا، وہ کئی گھنٹہ سے بے ہوش تھا۔ پسینہ، خراٹے دار سانس۔ سکڑی ہوئی پتلیاں دیکھ کر ہمیں اوپیم کا خیال آیا، چنانچہ اوپیم کی ایک دو خوراکیں دینے سے ایک پتلی ڈھیلی ہو گئی اور سانس درست ہو گیا۔ ایسے ہی اور مریضوں کے حالات بھی بتائے جا سکتے ہیں جنہیں بغیر ایذا پہنچائے شفا حاصل ہوئی۔

خاص مقصد جو مد نظر رہنا چاہیے وہ قوت حیات اور مرض کا فرق ہے۔ سارے درد اور غیر معمولی احساسات مرض سے پیدا ہوتے ہیں۔ اگر مرض رفع ہو گیا لیکن قوت حیات ختم ہو گئی تو مریض کی حالت بگڑتی جائے گی یہاں تک کہ موت واقع ہو جائے گی۔

☆☆☆ (۵). خود کشی کا رجحان کم کرنا تاکہ ایسی وارداتوں میں کمی ہو = عیش پرست ممالک میں خود کشی کی مسلمہ زیادتی کیسی دردناک ہے اور یہ اطلاع کس قدر عام ہے کہ فلاں آدمی کو بے خوابی رہتی ہے کیونکہ اس کو انفلوئنزا ہوا تھا اور اس نے بہت سی دوائیں استعمال کیں۔

☆☆☆ (۶). بانجھ پن = عورتوں میں یہ بات کتنی عام کہ کہ لیکوریا (سیلان الرحم) میں اندام نہانی کے راستے ہر قسم کی پچکاریاں کی جاتی ہیں اور اس طور پر بانجھ پن قائم رہتا ہے۔ عورتوں میں سوزاک کے دبائے جانے سے کیسے خوف ناک نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ دیکھا گیا ہے کہ اکثر زندگی بھر تکلیف اٹھانی پڑتی ہے اور یا تو مرد نامرد ہو جاتا ہے یا اگر مرد

رہتا بھی ہے تو بیوی اور غالباً بچوں کے لیے ایک مصیبت بن جاتا ہے۔

اس تمام بحث اور تذکرہ کے بعد ایک پہلو اور بھی قابل ذکر ہے اور وہ یہ کہ اگر یہ اصول اور یہ معمول سچے ہیں تو جو کچھ ان کے مخالف کہا جاتا ہے وہ نہ صرف بیکار بلکہ اس زور شدت کے تناسب سے مضر بھی ہیں جن سے وہ اعضاء پر اپنا اثر ظاہر کرنے کے لیے دیئے جاتے ہیں۔ برقی علاج غالباً سب سے زیادہ مضر ہے اگرچہ یہ دیکھنے میں نہایت خوشنما اور بظاہر قابل اعتماد ہے۔

اگر ہومیوپیتھی اپنے اندر سچائی' ساری سچائی' سوائے سچائی کے اور کچھ نہیں رکھتی تو جو کچھ اس کے مخالف ہے ہر اعتبار سے ضرور جھوٹا ہے۔

علامات سورا (PSORA)

☆☆☆ جلد = جلد پر خارش ہوتی ہے اور جلتی ہوئی معلوم ہوتی ہے- یہ حالت بعض اوقات طفحہ جلدی رو پذیر ہونے پر ہوتی ہے اور بعض اوقات اس کے بغیر بھی اس کا امکان ہوتا ہے- خارش کو کھجلانے سے افاقہ معلوم ہوتا ہے لیکن بعد میں جلن محسوس ہوتی ہے- اس قسم کی خارش میں رات کے وقت اور خاص کر بستر کی گرمی سے اضافہ ہو جاتا ہے- جلد خشک اور بھدی معلوم دینے لگتی ہے- نہانے سے جلد کا رنگ اور بھی خراب ہو جاتا ہے- پھنسیاں، پھوڑے نکل آتے ہیں لیکن ان میں پانی یا پیپ بہت کم پیدا ہوتی ہے- ان کے کھرنڈ اور چھلکے دبیز ہونے کی بجائے پتلے ہوتے ہیں-

☆☆☆ چہرہ = چہرہ کا رنگ زرد لیکن ہونٹ دوسرے غشائے مخاطی کی مانند سرخ ہوتے ہیں-

☆☆☆ اعضائے حواس خمسہ = سورا سے اعضائے حواس پر کوئی اثر نہیں پڑتا البتہ انجمادی حالتوں کے سبب نکسیر پھوٹتی ہے اور کانوں میں شائیں شائیں کا شور سنائی دیتا رہتا ہے- آنکھوں کے پپوٹوں اور کانوں کے اندر خشکی اور سرخی کے ساتھ خارش اور گرمی کا احساس موجود رہتا ہے- مختلف حالتوں میں منہ کا ذائقہ مختلف رہتا ہے مثلاً کڑوا، میٹھا اور ترش لیکن منہ میں سوزشی ذائقہ اس مرض کی امتیازی خاصیت ہے-

☆☆☆ بال = بال خشک، غیر چمکدار اور بھربھرے ہوتے ہیں- سر میں پسینہ بہت کم آتا ہے- کھوپڑی پر خارش عام ہوتی رہتی ہے- سر پر گرمی برداشت نہیں کی جا سکتی- مریض سر ننگا رکھنے کو ترجیح دیتا ہے- ان حالات میں مریض کو سردی معلوم ہوتی ہے اور پسینہ شاذ و نادر ہی آتا ہے لیکن اگر پسینہ آ جائے تو مریض آفاقہ محسوس کرتا ہے-

☆☆☆ ذہن = ذہنی طور پر مریض بہت ہوشیار، خود مختار، وہمی اور متلون مزاج ہوتا ہے- عام طور پر اداس، کاہل اور مردہ دل رہتا ہے- رنگ و بو کا اثر زیادہ قبول کرتا ہے- جلدی سے مشتعل کیا جا سکتا ہے لیکن اس حالت میں غشی طاری ہونے کا بھی امکان ہوتا ہے- بیزاری طبع کے سبب ہسٹریا، جوش، کپکپی اور آہ و زاری اور رونے کے دورے ہونے لگتے ہیں یا ان کے دل میں یہ خیال جاگزیں ہوتا ہے کہ ان کے عوارض لا علاج ہیں اور وہ کبھی

صحت یاب نہیں ہو سکتے۔

☆☆☆ دوران سر = سورا کا مریض ہر وقت یہ محسوس کرتا ہے کہ اس کا سر چکر کھا رہا ہے اور اسی حالت میں بعض اوقات اسے متلی بھی ہونے لگتی ہے۔ موٹر، کشتی، ریل گاڑی، اور گھوڑا گاڑی کا سفر ایسے مریض کے لیے دوران سر اور متلی کا باعث بنتا ہے۔

☆☆☆ سر درد = مریض صبح کے وقت بیدار ہوتے ہی درد سر کی شکایت کرتا ہے اور یہ درد دوپہر تک ترقی پذیر ہوتے ہوتے انتہا تک پہنچ جاتا ہے لیکن اس کے بعد افاقہ معلوم ہونے لگتا ہے اور شام تک درد سر بہت کم ہو جاتا ہے۔ سر بھاری رہتا ہے۔ کنپٹیوں اور پیشانی میں درد زیادہ محسوس ہوتا ہے۔ اکثر اوقات یہ درد ہفتہ میں ایک بار یا مہینہ میں ایک بار یعنی دورے سے ہوتا ہے اور دوران درد میں صفراوی متلی اور قے ہونے لگتی ہے۔ عام طور پر گرم ٹکور، سکوت آرام اور سونے سے درد میں افاقہ ہوتا ہے۔

☆☆☆ اشتہا = بھوک اول تو لگتی ہی نہیں اور لگے تو ناقابل برداشت ہوتی ہے۔ مریض اکثر بے وقت بھوک محسوس کرتا ہے۔ مثلاً دوپہر کے وقت یا رات کو۔ بھوک خواہ مفقود ہی ہو پیاس بہت زیادہ لگتی ہے اور یہ کہا جا سکتا ہے کہ مریض آبی ہوتا ہے، اناجی نہیں۔

مٹھائی کی خواہش سورا کے مریض کی امتیازی خصوصیت ہے اور مریض خواہ جوان ہو یا بوڑھا مٹھائی سے اس کا جی نہیں بھرتا۔ چٹپٹی اور مصالحہ سے بھنی ہوئی غذاؤں کو مرغوب رکھتا ہے لیکن ان کے استعمال سے صفراوی قے اور اسہال شروع ہو جاتے ہیں۔

کھانا کھانے کے بعد پیٹ میں نفخ ہو جاتا ہے اور ایسی غنودگی طاری ہوتی ہے کہ جس سے مریض کو اپنے آپ پر قابو نہیں رہتا۔ ڈر یا خوف سے دست لگ جاتے ہیں جن سے پیٹ میں ناقابل برداشت درد پیدا ہو جاتا ہے جس کو صرف گرم پانی پینے یا گرم ٹکور سے افاقہ ہوتا ہے۔ قبض بہت شدید رہتا ہے اور بعض اوقات تو پاخانے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی اور اگر آئے بھی تو گول گول مینگنیوں کی طرح آتا ہے۔

دیدان، کرم (چھوٹے) خواہ مقعد میں موجود ہوں یا مفقود، سرسراہٹ، خارش اور کیڑے رینگنے کا احساس ضرور ہوتا ہے۔

اگرچہ دقت حیض سورا کی خاص علامات میں سے نہیں لیکن اگر یہ عارضہ رونما ہو جائے تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ ایسی صورت میں خون چھوٹے چھوٹے لوتھڑوں کی صورت میں خارج ہوتا ہے اور سیلان الرحم کا قوام گاڑھا ہوتا ہے۔

☆☆☆ آلات تنفس = آلات تنفس انجماد خون کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ مثلاً کھانسی اور نمونیہ اکثر لاحق رہتے ہیں۔ آخر الذکر مرض خاص طور پر ریئہ یا پھیپھڑوں سے تعلق رکھتا ہے۔ کھانسی خشک، تکلیف دہ اور تشنجی ہوتی ہے، بلغم بہت کم خارج ہوتا ہے، کھانسی صبح کے وقت زیادہ ہو جاتی ہے۔

☆☆☆ اطراف یعنی ہاتھ پاؤں = ہاتھ اور پاؤں ٹھنڈے رہتے ہیں اور ان کے اندر سنسناہٹ اور مردنی محسوس ہوتی ہے۔ کھڑا رہنے سے اعضاء جلدی تھک جاتے ہیں۔ مریض بخوبی چل سکتا ہے لیکن ایک جگہ کھڑا رہنا اس کے لیے محال ہوتا ہے۔

باوجودیکہ ہاتھ اور پاؤں ٹھنڈے رہتے ہیں، ہتھیلیاں اور تلوے گاہ بگاہ سخت جلے رہتے ہیں۔ بعض اوقات اس جلن کی شدت اس قدر زیادہ ہو جاتی ہے کہ مریض بلا اختیار رات کو تلوے اوڑھنی سے باہر نکالنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

ہاتھ اور پاؤں میں سردی سے شقاق پڑ جاتے ہیں اور ان میں جلن اور خارش ہونے لگتی ہے۔ پاؤں میں بدبو دار پسینہ آتا ہے۔

اعضاء کے اندر دردیں رہتی ہیں، اور سر درد کی طرح ان دردوں میں گرمی اور سکون سے افاقہ رہتا ہے اور حرکت سے اضافہ۔

مندرجہ بالا سطور میں سورا کی علامات کم و بیش سب ہی بیان ہو چکی ہیں۔ اس کے بعد سورا کی دوائیں درج کی جاتی ہیں اور پھر سائکوسس کی علامات درج کی جاتی ہیں۔ ہمیں یہ دیکھنا منظور ہے کہ سورا اور سائکوسس کی علامات کہاں تک آپس میں ملتی جلتی ہیں۔

ادویات دافع سورا

آرسینکم البم، آیوڈیم، ایگریکس، ایلومینا، ایمونیا کارب، ایمونیا میور، اناکارڈیم، انٹی مونیم کروڈ، ایسڈ فاس، ایسڈ میور، ایسڈ نائٹرک، ایسڈ سلفیورک، بوریکس، پلاٹینا، پٹرولیم، ڈیجی ٹیلس، ڈلکا مارا، سارسپریلا، سلفر، سیلیشیا، سیپیا، فاسفورس، کاربو ویج، کاربو انی میلس، کونیم میک، کوپرم میٹیلیکم، کالی کارب، کالی نائٹریکم، کالوسنتھ، کلکیریا کارب، کاسٹی کم، کلیمیٹس، گریفائٹس، لائیکوپوڈیم، میزریم، میگنیشیا میور، میگنیشیا کارب، نیٹرم میور، نیٹرم کارب، ہیپر سلفر۔

علامات سائکوسس (SYCOSIS)

سائکوما ایک یونانی لفظ ہے جس کو عربی میں ثولولہ کہتے ہیں۔ اردو میں اسے مسہ یا ایک قسم کا غیر طبعی زائدہ کہا جا سکتا ہے۔ سائکوسس سے انجیر نما یا گوبھی نما مسہ کی نمو یا پیدائش مراد لی جاتی ہے اس قسم کے مسے کی رنگت اسی حصہ جسم سے ملتی جلتی ہے جہاں وہ پیدا ہوتا ہے۔ عام جلد، روغنی چکنی اور زردی مائل سانولی ہوتی ہے لیکن اکثر حالات میں رنگت زردی مائل بھی ہوتی ہے جسے اس مرض کا طرہ امتیاز سمجھنا چاہیے۔ شدید حالات میں بدن بظاہر پھولا ہوا دکھائی دیتا ہے اور اس پر بدنما داغ اکثر پیدا ہو جاتے ہیں۔

چھوٹے چھوٹے سرخ دانے اور سائکوسس نما خالوں جیسے دھبے جلد پر کثرت سے پیدا ہو جاتے ہیں۔ یہ سرخ خال گردن، چھاتی اور جسم کے اوپر کے حصہ پر زیادہ نمودار ہوتے ہیں۔ طفحہ جلدی یعنی پھنسیوں کا پہلے آبدار ہونا سائکوسس کی امتیازی خصوصیت ہے۔ لیکن یہ آبلے بعد میں پیپ دار ہو جاتے ہیں۔ جیسے چیچک میں دیکھا جاتا ہے۔ ان دانوں میں خارش عام طور پر نہیں ہوتی۔

مسے خواہ رنگ دار ہوں، جسم پر ہر جگہ موجود ہوں، ایک پہلو پر ہوں یا کچھ ایک جگہ اور کچھ دوسری جگہ، غرضیکہ ہر قسم کے مسے سائکوسس ہی کا نشان ہوتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے ناہموار یا حلقہ دار گول جلدی دانے جن میں سے آخر الذکر سر کی ٹٹری کا باعث بنتے ہیں۔ سائکوسس ہی کا نتیجہ ہوتے ہیں۔

☆☆☆ ناخن = عموماً سخت اور موٹے ہوتے ہیں۔

☆☆☆ پسینہ = سر پر، جسم کے اوپر کے حصہ پر اور اعضائے تناسل پر دن رات بکثرت آتا رہتا ہے جس میں بوسیدگی یا مچھلی جیسے تعفن کی بو آتی ہے۔ اس پسینہ سے مریض کو کوئی افاقہ نہیں ہوتا۔ مریض سردی بہت محسوس کرتا ہے اور اس کے احساسات سردی اور نمی کے متعلق بہت زیادہ تیز ہوتے ہیں لیکن اس حقیقت کے باوجود سائکوسسوی بچے اپنی اوڑھنیوں کو رات کے وقت اتار پھینکتے ہیں۔

☆☆☆ ذہنی کیفیت = سائکوسس میں چونکہ ذہنی کیفیت کا دار و مدار غشیہ الدماغ کے زیر بحث ہوتا ہے لہذا مریض کو تشنج اور مرگی کے دورے عام پڑتے ہیں۔ مریض ذکی الحس اور جلدی مشتعل ہو جاتا ہے۔ زود رنج جذبات سے متاثر اور اچانک شور سے

چونک پڑتا ہے۔ تفکرات اسے ہمیشہ گھیرے رہتے ہیں' مریض مستقبل سے ہمیشہ خائف اور اکیلا رہنے سے ڈرتا ہے' یاداشت تدریجاً کم ہو جاتی ہے۔ خیالات پراگندہ اور نسیان ہو جاتا ہے۔ موسم کی تبدیلی اور طوفان برق و باراں سے تھوڑا عرصہ پہلے یہ حالات اور بھی زیادہ خراب ہو جاتے ہیں اور ان کے ساتھ دردیں بھی ہونے لگتی ہیں۔

☆☆☆ سر درد = ماتھے میں سر کے اوپر یا سر کے پچھلے حصہ میں درد ہونے لگتا ہے۔ ہوا کی تبدیلی اور فضا کی تراوت سے اس میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ گرمی سے دردوں میں ہمیشہ افاقہ نہیں ہوتا۔ البتہ حرکت سے عموماً آرام محسوس ہوتا ہے۔

☆☆☆ حواس خمسہ = آنکھ' آشوب چشم اور آنکھ میں سے غلیظ سبزی مائل مواد نکلتا ہے یہاں تک کہ پردہ قرنیہ اور آئرس پر ثبور نکل آتے ہیں۔

☆☆☆ کان = کانوں کی پرانی سوزش جس کے ساتھ پیپ بھی بہتی ہو سائکوسس پر دلالت کرتی ہے۔

☆☆☆ ناک = ناک عموماً اسی تعفن یعنی سائکوسس آفات کے زیر تکلیف رہتی ہے۔ حاد یا مزمن زکام مستقل طور لاحق رہتا ہے۔ حاد زکام میں چھینکیں آتی ہیں' خراش کنندہ پانی بہتا ہے اور ذرا سی سردی لگ جانے سے ناک بند ہو جاتی ہے۔

☆☆☆ ہضم = بھوک محض خیالی لگتی ہے اور عام طور پر صبح کے وقت بالکل مفقود ہو جاتی ہے۔ کھانا کھانے کے بعد بدہضمی کی شکایت اکثر رہتی ہے۔ میوہ جات اکثر ان مریضوں کو موافق نہیں آتے۔ بچوں میں بعض اوقات ماں کا دودھ بھی خرابی پیدا کرتا ہے اور دیکھا گیا ہے کہ بعض نوزائیدہ بچے اپنی ٹانگوں کو درد کی وجہ سے سکیڑ کر پیٹ سے لگائے رکھتے ہیں۔ ان کی یہ حالت کئی گھنٹوں جب تک افاقہ نہ ہو مسلسل جاری رہتی ہے۔ ان بچوں کو دودھ یا دودھ سے تیار شدہ غذا موافق نہیں آتی چنانچہ ان کی غذا کا انتظام بڑا مشکل ہو جاتا ہے۔

☆☆☆ درد معدہ = معدہ کی درد تشنجی' قولنجی اور نوبتی ہوتی ہے اور اس میں دباؤ ڈالنے' پیٹ کے بل لیٹنے' حرکت دینے اور تھپکی دینے سے کچھ افاقہ معلوم ہوتا ہے۔ بچے اور قے شدہ مواد دونوں سے ترش بو آتی ہے۔ بچہ اکیلا چھوڑ جانے سے گھبراتا ہے وہ چاہتا ہے کہ اسے اٹھا کر ادھر ادھر پھرایا جائے یا تھپکی دی جائے۔ پے در پے دستوں کا آنا امتیازی نشان ہے چنانچہ معمولی اسباب یعنی کھانے میں ذرا سی بے احتیاطی اور پانی میں بھیگ جانے سے دست شروع ہو جاتے ہیں۔ پاخانہ تیزی سے اور بلند آواز سے خارج ہوتا ہے'

اس میں سے ترش بو آتی ہے' اس کے نکلنے سے مقعد میں خراش اور جلن ہوتی ہے' دستوں کا رنگ اور قوام مختلف اوقات میں مختلف ہوتا ہے مثلاً پانی جیسا پتلا' سفید' سبز یا زرد۔

درد شکم بہت تکلیف دہ' تشنجی اور نوبت سے ہوتا ہے اور اوندھا لیٹنے اور پیٹ پر دباؤ ڈالنے سے قدرے افاقہ ہوتا ہے لیکن اس کے بعد بے چینی بڑھ جاتی ہے۔

☆☆☆ ورم زائدہ اعوریہ = (سوزش اندھی آنت) ڈاکٹر جے۔ ایچ ایلین کے خیال میں ورم زائدہ اعوریہ کی بنا سائکوسس تعفن ہی ہوتی ہے۔ امعاء مستقیم اور اندام نہانی میں خاص طور پر درد کی ٹیسیس پڑتی ہیں اور اگر اس کے ساتھ مقعد اور فرج میں خارش بھی موجود ہو تو وہ بہت شدید قسم کی ہوتی ہے۔ ناف اور امعائے مستقیم پک جاتے ہیں اور ان میں سے رقیق پانی خارج ہونا شروع ہو جاتا ہے۔

☆☆☆ بواسیر = مقعد میں خارش سائکوسس کی خاص علامت ہے۔

☆☆☆ پیشاب = پاخانہ کی طرح پیشاب میں بھی وہی تیزابی کیفیت (حمض) موجود ہوتی ہے اس لیے سیون کے ارد گرد سن پیدا ہونے کی روک تھام نہایت ضروری سمجھنی چاہیے۔ پیشاب کرتے وقت اس قدر تکلیف ہوتی ہے کہ بعض اوقات بچے چیخنے اور چلانے لگ جاتے ہیں۔

☆☆☆ گردے = سائکوسسوی مرض میں جو تدریجاً استسقائی حالت میں تبدیل ہو رہا ہو گردے بھی مبتلائے تکلیف پائے جاتے ہیں۔

سائکوسس تقریباً پیڑو کے تمام جوف پر اثر انداز ہوتا ہے اور آخر کار مندرجہ ذیل احوال میں سے ایک یا سب حالتیں ظہور پذیر ہو جاتی ہیں مثلاً التہاب الرحم Metritis التہاب بطانتہ الرحم Paranad Euds Metritis التہاب البوق الرحمی Salpingitis اور التہاب المبیض Ovaritis اس کے بعد عسر الطمث (حیض کی دقت) کی درد ناک شکایت پیدا ہو جاتی ہے جو قولنج سے مشابہ ہوتی ہے۔ دوران حیض میں دردیں بھی ساتھ ہوتی ہیں اور خون عام طور پر بدبو دار اور خراش کنندہ ہوتا ہے۔ اس میں بڑے بڑے سیاہ چمکدار لوتھڑے بھی خارج ہوتے ہیں۔ سیلان الرحم بھی خراش کنندہ' رقیق' کم مقدار اور مچھلی کے تعفن جیسا بدبو دار ہوتا ہے۔

سورا اور سائکوسس کا امتیازی فرق

سورا اپنی علامات بہت کم ظاہر کرتا ہے۔ اس سے زیادہ تر افعال درست نہیں رہتے اور سائکوسس میں عضوی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ علاوہ ازیں سائکوسسوی علامات جلدی ظاہر ہو جاتی ہیں یہاں تک کہ سفلس یعنی آتشک سے بھی پیشتر۔

☆☆☆ اطراف و جوانب = ہاتھ پاؤں کے ملاحظہ سے مائزم (سائکوسسوی تعفن) کے ریشہ دار نسائج پر اثر انداز ہونے کی شہادت ملتی ہے۔ چنانچہ ظاہر ہے کہ جوڑوں میں ٹیسیں اور چبھن والی دردیں ہوتی ہیں اور اس کے ساتھ ہی ہاتھ پاؤں میں دکھن اور کھنچاوٹ پیدا ہو جاتی ہے اور اکثر لنگڑا پن محسوس ہونے لگتا ہے۔ یہ دردیں عام طور پر چھوٹے چھوٹے جوڑوں میں ہوا کرتی ہیں مثلاً انگلیوں کے جوڑ اور سبابہ زیادہ ماؤف ہوتی ہیں۔ پاؤں کے تلے دردناک اور سریع الحس ہو جاتے ہیں۔ چلتے وقت مریض یوں محسوس کرتا ہے کہ وہ گول اور ہموار پتھروں پر چل رہا ہے اور وہ اس کے تلووں میں چبھتے ہیں۔ آرام کرنے سے ان دردوں میں اضافہ ہوتا ہے کیونکہ اعضاء اور بھی بھاری ہو جاتے ہیں۔ پس جیسا کہ حرکت کرنے سے افاقہ ہوتا ہے ایسے ہی حرکت کے آغاز میں درد شدت پکڑ جاتا ہے۔

کئی اور سائکوسسوی حالتوں کی طرح ایسی دردوں میں سردی موسمی فضاء کے تغیر اور خاص طور پر مرطوب ہوا سے اضافہ ہو جاتا ہے اور خشک معتدل موسم اور حرکت سے افاقہ ہوتا ہے۔ رات یا صبح کے وقت درد میں شدت ہو جاتی ہے۔ اس تعفن کی بے چینی زیادہ تر پاؤں میں محسوس ہوتی ہے اور بعض اوقات یہ حالات رعشہ میں بھی تبدیل ہو جاتی ہے۔

مزمن مفصلی التہاب یعنی جوڑوں کا پرانا ورم جوڑوں کو بد وضع نہیں بناتا کیونکہ سائکوسس جوڑ کے اندرونی و بیرونی ریشہ دار ساختوں پر حملہ آور ہوتا ہے اور اسی رجحان کے ماتحت کہ اس نے ریشہ دار ساختوں پر حملہ آور ہونا ہوتا ہے اعصاب کو بھی ماؤف کر دیتا ہے۔

چھوٹے جوڑوں میں دردیں پیدا ہونے سے جوڑ متورم ہو جاتے ہیں اور اس سوجن کی رنگت نیلی ہوتی ہے۔ ہاتھ لگانے سے درد ہوتا ہے اور اکثر اوقات یہ درد ایک جوڑ سے دوسرے جوڑ میں منتقل ہوتا رہتا ہے۔

اعضائے تنفس عموماً بلغمی نزلہ میں مبتلا رہتے ہیں اور خارج شدہ مادہ میں خون کے لوتھڑے بھی دیکھنے میں آتے ہیں جن کا رنگ قدرے نیلا ہوتا ہے۔ غرضیکہ ہوائی نالیاں تمام کی تمام ماؤف ہو جاتی ہیں۔ عام نزلہ کے بعد کھانسی جو مابعد زور دار خشک اور متواتر اٹھتی ہے لاحق ہو جاتی ہے اور التہاب شعبی رلوی Broncho Pneumonia کی شکایت اکثر رہتی ہے۔ دمہ اور خاص طور پر مرطوب دمہ جو نسلاً بعد نسل چلتا ہے سائکوسس ہی کی ایک علامت ہے۔ ایسی حالت میں تکلیف دہ کھانسی کافی دیر تک اٹھتی رہتی ہے لیکن بلغم یا لیس دار تھوک بہت کم خارج ہوتی ہے۔ دمہ اور کھانسی رات کو دو بجے سے تین بجے تک زیادہ تکلیف دہ ہوتی ہے۔ دل کے ارد گرد ایک جھلی سی پیدا ہو جاتی ہے جس کے سبب بلا تکلیف فوری موت واقع ہو جاتی ہے۔ شانہ اور دل کے مقام میں درد ہوتا رہتا ہے۔ انفلوئنزا بھی سائکوسسوی امراض میں سے ایک ممتاز مرض ہے جو سائکوسس کے زیر اثر مذکورہ بالا تمام نسائج پر حملہ آور ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

سلی Tubercular استعداد مزاجی کی نسبت سائکوسس میں چاک (مٹی) کی مقدار زیادہ ہوتی ہے جس سے جوڑوں اور اعصاب میں گانٹھیں پیدا ہو جاتی ہیں۔

سائکوسس اور آتشک میں فرق

سائکوسس کی مذکورہ بالا بڑی بڑی علامات کو مد نظر رکھتے ہوئے اب ہم اس کا آتشکی تعفن سے مقابلہ کرتے ہیں۔ لغت کے لحاظ سے آتشک ایک متعدی زہر ہے جو بعض اوقات ورثہ میں بھی حاصل ہوتا ہے لیکن وہ قسم جو ورثہ میں حاصل ہو حاد علامات ظاہر نہیں کرتی۔ البتہ آتشکی مواد سے پاک و صاف بھی نہیں ہوتی۔ ڈاکٹر کینٹ نے اپنے بیاض میں آتشک کے متعلق لکھا ہے "میرا یہ کام نہیں کہ میں آپ کو اس کی ہسٹری یا اس کے تشخیصی تعلقات بتاؤں بلکہ میرا کام تو صرف اتنا ہے کہ اسے ایک مائزم یا تعفن کی حیثیت سے دیکھوں۔" سائکوسس کے بعد ہم سفلس کی تعفنی علامات کا مطالعہ کرتے ہیں۔

ادویات دافع سائکوسس

انا کارڈیم، اینٹی مونیم ٹارٹ، اینٹی مونیم کروڈ، ایپس میلی فیکا، ایسڈ فلور، آرینیا ڈائڈیما، ایسڈ نائٹرک، آرجنٹم مٹیلیکم، آیوڈیم، آرم میور، برائٹا کارب، برائی اونیا، پیٹرولیم، تھوجا، ڈلکا مارا، سار سپریلا، سلفر، سلینیم، سیپیا، سیلیشیا، سیکیل کار، سٹیفی سیگریا، سینا برس، فائٹو لیکا، فیرم، کالمیا، کلکیریا کارب، کاربو اینی میلس، کاربو ویج، کاسٹیکم، کیمومیلا، کونیم میک، گریفائٹس، لائکو پوڈیم، لیکسس، مرکیورس، میڈھورینم، میزیریم، نیٹرم سلف، ہیپر سلف، یوفریزیا۔

علامات سفلس (SYPHILIS)

☆☆☆ چہرہ = چہرے کا رنگ مٹیالا اور کھال جھری دار ہوتی ہے۔ اگر بچہ ہو تو اس کی رویت ظاہری بوڑھوں کے مانند دکھائی دیتی ہے۔

☆☆☆ سر = سر بڑا، کھوپڑی پلپلی اور سطح چکنی ہوتی ہے۔ عام طور پر سر کی کھال پر موٹی موٹی نمدار پپڑی جمی رہتی ہے۔

☆☆☆ آنکھ = اس مائزم کی بہت سی خصوصیات آنکھوں میں پائی جاتی ہیں۔ سب سے

زیادہ قرنیہ Cornea ماؤف ہوتا ہے چنانچہ ورم قرنیہ Keratosis ایک عام مرض ہے جسے قبول کرنے کی عمر سات سے اکیس سال ہے- پردہ آئرس Iris کے ورم کا سبب بھی اکثر یہی تعفن ہوتا ہے چنانچہ دیکھا گیا ہے کہ اس مرض کے پچاس فیصد مریض اسی تعفن کی بناء پر بیمار ہوتے ہیں- چھ ماہ سے نو ماہ کی عمر کے بچوں میں بھی اسی تعفن کی بنا پر ورم آئرس دیکھا گیا ہے-

آتشکی ورم آئرس دونوں آنکھوں کے دونوں گوشوں میں پایا جاتا ہے- آتشکی درد بھی دوسرے دردوں کی طرح رات کے وقت شدت اختیار کر لیتا ہے- خاص طور پر رات کے دو بجے سے صبح کے پانچ بجے تک یہ درد بے حد تکلیف دہ ہو جاتا ہے- بعض اوقات آنکھ میں بثور پڑ جاتے ہیں جن کی وجہ سے روشنی میں آنکھ کھولنے سے ڈر لگتا ہے لیکن یہ بثور اتنی کثرت سے رونما نہیں ہوتے جتنا کہ سلی استعداد مزاجی میں-

سقوط الجفن اور درد اعصاب اکثر لاحق ہوتے رہتے ہیں- ان عوارض کی فراوانی آتشکی استعداد مزاجی کا بین ثبوت ہے- ناک کی ہڈی بیٹھ جاتی ہے- بچوں میں ناک کا چپٹی پیدا ہونا اس تعفن کا ماحصل شمار کیا گیا ہے- بھنویں اور پلکیں گر جاتی ہیں- جوان عمر میں قوت شامہ زائل ہو جاتی ہے- زکام اکثر رہتا ہے- حاد نزلہ میں خراش کنندہ پانی بکثرت رہتا ہے لیکن مزمن نزلہ میں مواد گاڑھا اور سیاہ پڑ جاتا ہے حتیٰ کہ ناک کے اندر جم کر سخت چھلکے بن جاتے ہیں- یہ مواد ہمیشہ بو دار نہیں ہوتا-

☆☆☆ منہ = لبوں کے گوشوں پر یا درمیان میں شقاق پڑ جاتے ہیں- زبان، مسوڑھوں تالو اور گوشک پر لعابدار بثور نکل آتے ہیں جن کی شکل پیچ دار بیل بوٹوں کے مشابہ ہوتی ہے- دانت نکالنے کے زمانہ میں تکلیف ہوتی ہے جس کے سبب اسہال اور تشنج کے دورے بکثرت پڑنے لگتے ہیں- دانت دوہرے پیدا ہوتے ہیں، منہ کا ذائقہ بک بکا ہونا ہمیشہ آتشک کی بین علامت ہے- سر کی گدی میں کانوں کے پیچھے غدود دماغیہ بڑھی رہتی ہیں- جلدی امراض میں جو آتشکی ہوں جلد کی رنگت تانبہ کی سی ہو جاتی ہے- ان داغوں یا پھوڑے پھنسوں میں درد وغیرہ نہیں ہوتا- البتہ یہی داغ بالترتیب ضرور ہوتے ہیں- ان کے چھلکے اور کھرنڈ موٹے اور بھاری ہوتے ہیں-

آبلوں کی موتیوں کی سی آبداری اور ان کا چھل جانا بھی آتشک ہی کی ایک علامت ہے- ناخنوں کی سوزش اور بسہری یعنی بوائی پھوٹنا بھی آتشکی امراض شمار کئے جاتے

ہیں۔ ڈاکٹر نارمن واکر Dr. Norman Walker کا یہ نظریہ کہ مقعد اور عضو تناسل کے گرد جو مسے پیدا ہوتے ہیں وہ آتشکی تعفن ہی کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر جے۔ ایچ۔ ایلن کے اس خیال کی تائید کرتا ہے کہ ان گوبھی نما ابھاروں کے رونما ہونے سے پیشتر آتشک اور سائکوسس دونوں کا موجود ہونا لازمی ہے کیونکہ جیسے کہ پہلے بیان کیا گیا ہے ہر قسم کے مسے سائکوسسوی تعفن کا نتیجہ ہوتے ہیں۔

آتشکی امراض میں مریض کی ذہنی کیفیت بہت حد تک بھدی اور کند ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے اس کی طبیعت میں زود رنجی اور ضد پیدا ہو جاتی ہے۔ مریض پژمردہ رہتا ہے لیکن افسردگی کے سبب کسی سے اپنی تکلیفات کا ذکر نہیں کرتا کیونکہ اس حالت میں اس کو کسی پر اعتماد نہیں ہوتا۔ بعض اوقات پژمردگی اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ مریض اسی مایوسی کی حالت میں خود کشی کا ارتکاب کر لیتا ہے۔ رات کے وقت بے چینی میں اس قدر شدت ہوتی ہے کہ مریض رات سے خوف کھاتا ہے۔

سر کا درد ہمیشہ سر کے نچلے حصہ (گدی) میں ہوتا ہے۔ ذہنی حالت ہر وقت مکدر اور درد سر کئی روز متواتر رہتا ہے۔ اس کا سبب دماغ میں پانی کا جمع ہو جانا قرار دیا گیا ہے۔ شام کے دردوں میں اضافہ ہو جاتا ہے اور آدھی رات تک یہ حالت بدستور ترقی پذیر رہتی ہے لیکن صبح کے وقت دردوں میں افاقہ ہو جاتا ہے۔ خاص بات قابل یاداشت یہ ہے کہ لیٹنے اور گرمی سے مرض میں اضافہ ہوتا ہے لیکن سردی سے اکثر اوقات افاقہ محسوس ہوتا ہے۔ بعض اوقات اس درد کی شدت سے بچہ اپنے سر کو چارپائی سے ٹکراتا ہے یا اپنے ہاتھوں کو سر پر مارتا ہے۔

☆☆☆ نظام اور آلات ہضم = پر اس مرض کا کوئی اثر نہیں ہوتا لیکن بعض کمزور بچوں کو دفعتہ" قے اور اسہال شروع ہو جاتے ہیں جس کا اگر چوبیس گھنٹے کے اندر اندر خاطر خواہ علاج نہ کیا جائے تو موت واقع ہو جانے کا خدشہ ہوتا ہے۔

آتشکی دردیں عموماً ہاتھوں اور پاؤں کی ہڈیوں میں زیادہ ہوتی ہیں لیکن یہ ضروری نہیں کہ یہ ہڈیاں موٹی اور بد وضع ہو جائیں۔ اس کے بعد لمبی ہڈیوں میں ناسور پڑ جاتے ہیں چنانچہ پنڈلی کے بالائی حصہ کا ناسور ہمیشہ آتشکی شمار کیا جاتا ہے اور اگر کسی مریض میں اس قسم کا ناسور دیکھا جائے تو آتشکی مواد کی موجودگی یقینی ہوتی ہے۔

ان دردوں میں بھی درد سر کی طرح رات کو اضافہ اور سردی سے افاقہ ہو جاتا

ہے۔ افعال تنفس میں حنجرہ میں کسی خرابی کا واقع ہو جانا آتشکی تعفن کی ایک علامت ہے خواہ افعال میں کوئی نقص ہو یا عضو ہی تباہ و ناکارہ ہو چکا ہو۔

ادویات دافع سفلس

آرسنکم البم، آرسنکم آیوڈائڈ، آرم، آسافوٹیڈا، آرم میور، ایسڈ فلور، ایسڈ بینزائک، ایسڈ نائٹرک، ایسڈ فاس، بیڈیاگا، پٹرولیم، تھوجا، سفلینم، سلفر، سلیشیا، سینا بیرس، سٹیلینجیا، سٹیفی سیگریا، فاسفورس، فائٹولیکا، کاربو اینی میلس، کوریلئم روبرم، کروٹیلس، کالی بائی کرومیکم، کالی آئیو ڈائیڈ، کالمیا، لیکسس، لائیکوپوڈیم، لیک کینینم، مرکیورس سال، مرکیورس آیوڈائیڈ، مرکیورس کار، میزریئم، ہیپر سلفر۔

طاقت دوا کے انتخاب کا مسئلہ

یہ ایک خطبہ کا ترجمہ ہے جو ڈاکٹر جارج روتھ ون مچل نے برٹش ہومیوپیتھک سوسائٹی کے سامنے ۵ جنوری ۱۹۳۹ء کو پڑھا۔

صدر محترم، خواتین اور حضرات!

جہاں تک مجھے علم ہے ڈاکٹر میک کرے کی تازہ تصنیف کو چھوڑ کر ہانمن کے وقت سے لے کر اب تک طاقت دوا کے متعلق کوئی خاص ہدایات مرتب نہیں ہوئیں۔ ہم سب جانتے ہیں کہ ہانمن نے اپنے تلخ تجربہ کی بنا پر دوا کی زیادہ مقدار کو ترک کر کے خفیف اور پھر بے حد خفیف مقدار دوا استعمال کرنا شروع کی تھی اور یہ کہ اس کے پیروؤں نے اپنا اعتقاد کھو کر غلط راستہ اختیار کیا اور دلدلوں میں جا پھنسے حتیٰ کہ کینٹ ایک حقیقی رہنما کی طرح آیا اور ان سب کی راہنمائی منزل مقصود کی طرف کی۔ لیکن ان تبدیلیوں اور تجدیدوں کے باوجود گزشتہ سو سال سے ہومیوپیتھک اصول یا عمل میں کوئی ترقی نہیں ہوئی۔ اگر ہمارا عمل علم پر مبنی ہوتا تو یہ قدامت پسندی اور سرد مہری ہماری طاقت کی ایک دلیل ہوتی۔ لیکن اگر ہم دیانت دار ہیں تو ہمیں اعتراف کرنا چاہیے کہ حقیقت یہ نہیں ہے بلکہ دراصل طاقت دوا کے مسئلہ میں ہم بالکل لاعلمی کی حالت میں ہیں اور تجربات کی بنا پر بس ہم اتنا ہی

جانتے ہیں کہ دوا کی اعلیٰ طاقتیں ادنیٰ طاقتوں کی بہ نسبت اعضاء کو زیادہ طاقت دیتی ہیں بس اس سے زیادہ ہم کچھ نہیں جانتے اور اس سبب سے ہمیں ڈاکٹر میک کرے کی کوششوں جیسی ہر کوشش کا جو طاقت دوا کا تعین اور راہنمائی کرے خیر مقدم کرنا چاہیے۔

مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ ایک سن رسیدہ خاتون نے بڑے جوش و خروش اور فخر سے یہ کہا تھا کہ اس کا ہومیوپیتھک معالج دواؤں کی اعلیٰ طاقتیں استعمال کرتا ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اس کہانی کا اس موضوع کے مضمون سے کوئی خاص تعلق نہیں تاہم یہ قصہ کم از دلچسپ ضرور ہے۔ اور شائد اس کہانی کا ذکر یہاں اس لیے صحیح قرار دیا جائے کہ اس کو سن کر ہمارے دلوں میں بھی یہ سوال پیدا ہو کہ کیا ہم لوگ خود بھی زمانہ ماضی میں دواؤں کی اعلیٰ طاقتیں استعمال پر فخر نہیں کرتے رہے اور اس خیال سے مغرور نہیں ہوتے تھے کہ ہم ادنیٰ طاقتیں استعمال کرنے والے معالج نہیں بلکہ اعلیٰ طاقتیں استعمال کرنے والے ڈاکٹر ہیں۔ حالانکہ اکثر صورتوں میں ان اعلیٰ طاقتوں کی بہ نسبت چھوٹی طاقتیں ہی مفید ثابت ہو سکتی تھیں۔

دس سال کا ذکر ہے کہ جب میں ہسپتال میں اپنی میعاد تعلیم ختم کر چکا تو اعلیٰ طاقتوں کا شوق خود مجھ کو بھی پیدا ہوا۔ چنانچہ میں 30, 200, 1000 اور پرانے امراض میں لاکھ اور دس لاکھ طاقتیں بھی استعمال کرنے لگا۔ چنانچہ یہی طاقتیں میں اب بھی استعمال کرتا ہوں لیکن وہ سابقہ کثرت اور افراط اعتدال پر آ کر اب زوال کا درجہ اختیار کر چکی ہے۔ تقریباً اڑھائی سال ہوئے کہ یہ اعتدال پسندی اس وقت شروع ہوئی جب میں نے ڈاکٹر میک کرے کا نظریہ طاقت دوا کے سلسلہ میں پڑھا کیونکہ وہ نظریہ طاقت دوا کے مسئلہ کے حل کے لیے مجھے بہت اہم معلوم ہوتا تھا۔ اور چونکہ طاقت دوا کے انتخاب کا ایک صاف اور واضح اصول بتاتا تھا۔ پس یہ ایک ایسا مفروضہ تھا جس کی صداقت کی آزمائش علاج معالجہ میں کی جا سکتی تھی۔ آخر کار اس نظریہ کا میں نے آزمائش کرنے کا فیصلہ کر لیا اور اس وقت سے برابر میں ہر مریض کو دوا اسی اصول کے ماتحت دے رہا ہوں۔ جو نتائج ظاہر ہوئے ان سے مجھے یقین ہو گیا ہے کہ ڈاکٹر میک کرے کا نظریہ طاقت دوا کے مسئلہ میں کافی واقفیت بہم پہنچاتا ہے اور یہ کہ طاقت دوا کے انتخاب کا اصول ہومیوپیتھک نسخہ نویسی میں نہایت قابل قدر ہے اس مقالہ میں مجھے امید ہے ان نتائج کے واضح اسباب پیش کر سکوں گا اور اپنے تجربہ سے چند مریضوں کے حالات بیان کر کے اس کے نظریہ کی توضیح بھی کر سکوں گا۔

مبادا یہاں کوئی صاحب ایسے ہوں جو ڈاکٹر میک کرے کے نظریات سے واقف نہ ہوں۔ میں حتیٰ الامکان اختصار سے ان کے اصول کے اصل نکات بیان کرتا ہوں۔ یہ اصول طاقت کی دو صورتیں پیدا کرتا ہے یعنی بالترتیب مرض کی طاقت اور دوا کی طاقت۔ طاقت کی یہ دو صورتیں ایک دوسری سے بہت مشابہ ہیں لیکن بالکل یکساں نہیں مثلاً مثبت Positive اور منفی Negative برقی رو۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں اگر منفی رو کسی ایسے جسم میں پہنچائی جائے جس میں پہلے ہی مثبت رو موجود ہے تو ہر رو دوسری کا اثر زائل کر دے گی۔ اور آخری نتیجہ دونوں کے اضافی کام پر موقوف ہے اس طرح اگر اس جسم میں مثبت برقی رو کی ایک اکائی موجود تھی اور منفی برقی رو کی اکائی کا دو تہائی حصہ۔ تو دونوں روئیں جب باہم ملائی جائیں گی تو جسم میں مثبت برقی رو کی اکائی کا ایک تہائی حصہ رہ جائے گا۔ اب اگر منفی رو کی اکائی کا دو تہائی حصہ پھر نئے سرے سے اس جسم میں داخل کر دیا جائے تو جسم میں منفی رو کی اکائی کا ایک تہائی حصہ رہ جائے گا۔ ایسا ہی تفاعل Inter Action دوا اور مرض کی طاقت میں ہوتا ہوا قیاس کیا جاتا ہے۔ اس طور پر مرض میں مریض مرض کی طاقت ظاہر کرتا ہے۔ اعلیٰ طاقت کی دوا کی ایک خوراک قریب قریب مکمل طور پر مرض کی طاقت کو زائل کر دیتی ہے لیکن اگر مزمن مرض میں اعلیٰ طاقت دوا کی دوسری خوراک محدود وقت سے پہلے دے دی جائے تو توازن کا پلڑا دوسری طرف کو جھک جائے گا اور مریض طاقت دوا کی زیادتی ظاہر کرنے لگے گا۔

مرض اور دوا کی دونوں مذکورہ طاقتیں مشابہ اس لحاظ سے ہیں کہ یہ یکساں رد عمل پیدا کرتی ہیں۔ اور اگر ان میں سے ایک طاقت کافی طور پر طاقتور ہو گی تو انسان میں اپنی علامات پیدا کر دے گی۔ یہ طاقتیں غیر مشابہ اس لحاظ سے ہیں کہ مرض کی طاقت بشرطیکہ علاج نہ کیا جائے، برقرار رہتی ہے یا شدت سے بڑھنے لگتی ہے جب کہ دوا کی طاقت، اگر تنہا چھوڑ دی جائے بتدریج کم ہوتی جاتی ہے حتیٰ کہ یہ بالکل منتشر یا زائل ہو جاتی ہے اور جہاں شدت مرض کی علامتیں دوا کی طاقتوں سے اچھی کی جا سکتی ہیں وہاں دوا کی طاقت کی علامتیں دوا سے دور نہیں کی جا سکتیں کیونکہ ہر خوراک پہلی دوائیہ طاقت کو بڑھاتی چلی جائے گی جس سے اور علامتیں پیدا ہوتی جائیں گی۔

طاقت دوا کی علامتوں کے منتشر اور فنا ہونے کی مدت مختلف حالات میں مختلف ہوتی ہے جو بعض اوقات ایک سال تک برقرار یا جاری رہ سکتی ہے۔

ڈاکٹر میک کرے کے نظریہ کے متعلق میرے خیال اور میری رائے میں یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ یہ اصول محض خیالی نہیں بلکہ ان چند واقعات پر مبنی ہے جو ڈاکٹر میک کرے نے ذاتی تجربہ اور مشاہدہ کئے ہیں۔ ممکن ہے ہم میں سے کچھ صاحبان اس اصول کو قبول نہ کریں لیکن کوئی شخص ان واقعات سے انحرف نہیں کر سکتا۔

(۱). تمام مزمن امراض کا جن کا علاج نہ ہوا ہو ایمانو میٹر Emanometer سے ایک خاص اثر لگا تار دیکھا جا سکتا ہے۔

(۲). اگر ایسے مرض میں دوا کی اعلیٰ طاقت کی ایک خوراک دے دی جائے تو اس اثر کی شدت نمایاں طور پر بتدریج کم ہو جاتی ہے۔

(۳). شدت کی کمی کے دوران میں خواہ کسی طاقت کی دوسری خوراک دے دی جائے تو اثر پھر شروع ہو جاتا ہے۔ اثر کی حد دوا کی طاقت پر موقوف ہے جو کہ استعمال کی جا رہی ہے دوا کی ادنیٰ طاقت یعنی نمبر ۱۰ سی سے نیچے کوئی طاقت بالکل خفیف اور برائے نام شدت پیدا کرے گی۔ دوا کی اعلیٰ طاقت یعنی ۱۰ سے اوپر کوئی طاقت بہت نمایاں شدت پیدا کرے گی۔

(۴). اگر کسی حالت میں یہ ثانوی شدت یا رد عمل پیدا کر کے پھر کسی دوائیہ طاقت سے مزید علاج نہ کیا جائے تو شدت بتدریج زائل ہو جاتی ہے حتیٰ کہ وہ بالاخر معدوم ہو جاتی ہے۔ شدت کے زائل ہو جانے کی مدت مختلف حالتوں میں مختلف ہوتی ہے۔ شدت اکثر دس دس ماہ بھی جاری رہتی ہے۔

(۵). جب شدت ایک خاص حد سے بڑھ جائے تو اس کے مریض میں علامات ظاہر ہوں گی۔ ان علامات کی شدت بھی دوائیہ شدت کے مطابق مختلف ہو گی۔

اعلیٰ طاقت کے بعد ادنیٰ طاقت کا استعمال

جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ یہ سب مشاہدہ کئے ہوئے واقعات ہیں اور ان کو سمجھانے کے لیے ڈاکٹر میک کرے نے دوا کی طاقت کے متعلق جو نظریہ پیش کیا ہے خواہ یہ صحیح ہو یا نہ ہو ہماری رائے میں یہ نہایت معقول اصول ہے اور تاوقتیکہ اس سے بہتر تشریح شائع نہ ہو ہمیں سر دست اسی کو قبول کر لینا چاہیے اور خواہ ہم اسے قبول کریں یا نہ، بہر حال ہمیں واقعات کو تو تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ واقعات دوا کی طاقت کے انتخاب میں ایک نہایت واضح اصول پیش کرتے ہیں۔ اس اصول کی آسان تشریح

اس طرح کی جا سکتی ہے کہ مزمن مرض کی حالت میں اگر پہلے سال مرض کا علاج کسی اعلیٰ طاقت کی دوا سے نہ کیا گیا ہو تو شروع علاج میں اعلیٰ طاقت کی دوا دینی چاہیے۔ اس کے بعد تمام دوائیں ادنیٰ طاقت کی دینی چاہئیں۔ بالفاظ دیگر جب ایک دفعہ ایک اعلیٰ طاقت دے دی جائے تو اس مریض کو اسی سال پھر کسی دوسری دوا کی اعلیٰ طاقت نہیں دینی چاہیے حتیٰ کہ ایک سال سے زیادہ عرصہ گزر جائے۔

بے شک یہ طریقہ عام دستور کے بالکل خلاف ہے اس مسئلہ کے متعلق بہت سی مختلف رائیں یہ ہیں کہ شروع اور آخر علاج میں درمیانی طاقت دوا استعمال کرنی چاہیے۔

ماحصل = پس جو دستور العمل ہمیں سکھایا گیا اور جو عام طور پر استعمال ہوتا ہے یہ ہے کہ اول اوسط درجہ کی اعلیٰ طاقت مثلاً نمبر 30 یا نمبر 200 پہلے استعمال کی جائے اور تاوقتیکہ ان طاقتوں کا مریض پر کوئی اثر نہ ہو اعلیٰ تر طاقتیں استعمال نہ کی جائیں۔ بالفاظ دیگر اول دوا کی اوسط طاقت دو اور پھر اگر ضرورت پڑے تو اس سے اعلیٰ طاقتیں دو۔ دوسری طرف ڈاکٹر میک کرے کا نظریہ یہ بھی پیش کرتا ہے کہ جب ایک بار اعلی طاقت ور دوا دینے کے بعد دوسری بار دوا دینے کی ضرورت درپیش ہو تو وہ دوا ادنی طاقت کی دی جائے۔ اور وہ خاص پیچیدگی جس سے یہ نظریہ دوسرے اصولوں سے تمیز کیا جاتا ہے یہ ہے کہ اگر ایسی تبدیلی نہ کی جائے تو مریض یقینی طور پر نقصان اٹھائے گا۔ ہمارے خیال میں یہ دعویٰ پہلے کسی نے نہیں کیا کہ طاقت دوا کے غلط انتخاب سے مریض کو یقینی نقصان پہنچ سکتا ہے۔ البتہ یہ ضرور کہا گیا ہے کہ چند مستثنیٰ حالتوں میں جہاں ساختوں میں بہت زیادہ تبدیلی واقع ہو رہی ہو یا قوت حیات کم رہ گئی ہو دوا کا پر شدت فعل معکوس خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ اگر ایک معالج نے دوسرے کی طاقت دوا کے انتخاب سے اتفاق نہیں کیا تو محض اس بنا پر کہ دوا بے اثر ثابت ہوئی تو اس طرح اعلیٰ طاقت کی دوا دینے والا معالج ادنیٰ طاقتوں کو مقابلتہ بے اثر اور ناکارہ خیال کرے گا جب کہ ادنیٰ طاقتیں دینے کا عادی اعلیٰ طاقتوں کو بھی ویسا ہی تصور کرے گا۔ لیکن اس اصول سے یہ بات تو بخوبی سمجھ میں آ سکتی ہے کہ اعلیٰ طاقتوں کے بار بار دہرانے سے بیماری یا خرابی صحت پیدا کر دینا ممکن ہے۔ ہمارے خیال میں آپ بھی اس امر میں متفق ہوں گے کہ طاقت دوا کا سوال ہم سب کے لیے نہایت اہم ہے۔ باقی رہا کہ ڈاکٹر میک کرے کا نظریہ صحیح ہے یا نہیں۔ ہمیں ذاتی طور پر یقین ہے کہ یہ درست ہے

اور مریضوں کے جو حالات ہم آئندہ صفحات میں پیش کر رہے ہیں ان سے ظاہر ہو جائے گا کہ محض اعلیٰ طاقتوں کا استعمال کیسے مضر نتائج پیدا کرتا ہے۔

اب جب کہ ایک نیا اصول پرانے طریقوں کو مضر بتاتا ہے تو ایک بات قدرتی طور پر پیدا ہوتی ہے کہ قدامت پسند حضرات پرانے طریقوں کی حمایت میں ان بہت سے کامیابیوں کا حوالہ دیں گے جو انہوں نے پرانے طریقوں سے حاصل کیں اور پھر نئے اصول کو غلط ٹھہرائیں گے۔ لیکن یہ دلیل اتنی مضبوط نہیں جتنی یہ کہ ایک شخص جو کسی منزل پر ایک راستہ سے پہنچتا ہے کیا یہ ممکن نہیں کہ وہ کسی دوسرے راستہ سے وہاں زیادہ سہولت اور جلدی سے پہنچ سکے ؟ مثال کے طور پر ذرا غور کیجئے تو معلوم ہو گا کہ "اینٹی ٹاکسک سیرم" Antitoxic Serum کا استعمال خناق کے علاج میں بہت کم فائدہ مند ثابت ہوا ہے لیکن ہم جانتے ہیں کہ ہمارے اعداد و شمار اس علاج میں نہ صرف بہتر ہیں بلکہ شفا یاب مریضوں میں بعد کے اثرات After effects ان مریضوں سے کہیں اعلیٰ اور برتر ہوتے ہیں جن کا علاج Anti_toxin سے کیا گیا۔ پس ہمیں یہ امکان تسلیم کر لینا چاہیے کہ اگرچہ دوا کی اوسط درجہ کی اعلیٰ طاقت دنیا ایلوپیتھی کی بہ نسبت بے حد مفید اور افضل ہے۔ تاہم ڈاکٹر میک کرے کا طاقت دوا کا طریق اور بھی بہتر ہو سکتا ہے اور ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ یہ اصول ان لوگوں کی رہنمائی کے لیے وضع کیا گیا ہے جو اپنے آپ کو باخبر رکھنے کے لیے کوئی ایمانومیٹر Emanometer نہیں رکھتے تاکہ جان سکیں کہ دوا کے اثر کے متعلق مریض کے اندر کیا مفید یا مضر تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں۔ البتہ اس میں چند مستثنیات بھی ہیں کیونکہ اعلیٰ طاقت کی دوا کا اثر زائل ہونے میں جو مدت لگتی ہے وہ مختلف مریضوں میں مختلف دیکھی گئی ہے اور جب کسی مریض میں یہ اثر بہت جلد زائل ہو جائے اور آفاقہ کی ترقی رک جائے تو بعد میں دوا کی اعلیٰ طاقتوں کا اثر نہ صرف مفید اور غیر مضر ثابت ہو گا بلکہ شفا یابی نزدیک تر ہو جائے گی۔ لیکن اس معمولی طبعی اختلاف کے علاوہ دوا کی طاقت مستثنیٰ طور پر جلد غائب ہو جانے کا سبب دوسرے حالات بھی ہو سکتے ہیں مثلاً ایک مزمن مرض میں یکایک دوسری شدید تکلیف پیدا ہو جانا مرض کی طاقت میں ایک نیا اضافہ کر کے مزمن مرض کو اس طرح بدل دیتا ہے کہ مریض پھر ایسی حالت اختیار کر لیتا ہے کہ اسے دوبارہ دوا کی اعلیٰ طاقت کی دوسری خوراک دینی پڑے گی۔

مثال = اس "طاقت دوا کی کارکردگی" پر ڈاکٹر میک کرے کے مقالہ پر بحث کے دوران میں

ڈاکٹر بورلینڈ نے ایک مریض کا ذکر کیا جو مثال کے طور پر یہاں بیان کیا جاتا ہے۔ انہوں نے اپنے ایک مریض کو کسی مزمن مرض کے لیے سیلیشیا نمبر 200 کی ایک خوراک دی مریض پندرہ روز کے بعد آ کر کہنے لگا کہ کاروباری مصروفیات کی وجہ سے اس کے سر میں سخت درد ہے۔ یہ شدید قسم کا سر درد ہمارے خیال میں اس امر کی بہترین شہادت ہے کہ مریض کو سر درد کے افاقہ کے بعد اس کے مزمن مرض کے علاج کے لیے دوسری بار سیلیشیا نمبر 200 کی ایک اور خوراک دینی ہو گی اور وہ اس پر شافی اثر کرے گی۔

دوسرا امکان جو ہماری نظر سے اوجھل نہیں ہونا چاہیے یہ ہے کہ شفایابیاں پر نقص اور غلط طریق کار کے باوجود بھی ہو سکتی ہیں۔ مثالوں کا پیش کرنا چنداں ضروری معلوم نہیں ہوتا۔ ایلوپیتھک طریق علاج میں ایسی مثالیں بکثرت ملتی ہیں۔ ویکسین سے علاج کرنے والے معالجوں نے ڈاکٹر کاف سے لے کر آج تک پہلی دوا کی بڑی خوراکیں استعمال کرنا شروع کیں اور جوں جوں وقت گزرتا گیا خوراک کی مقدار میں تخفیف کرتے گئے تاہم خوراک دوا کی بکثرت مقدار سے شروع شروع میں جو کافی کامیابیاں ہوئیں ان سے ویکسین کے دریافت کرنے والے کو اپنے طریقہ علاج کی قدر و قیمت کا یقین ہوتا گیا اور وہ اپنی تحقیق اور جستجو میں لگے رہے۔ اس بیان سے ہمارا یہ منشا نہیں کہ ہم اپنی گذشتہ کامیابیوں کا کوئی لحاظ نہ کریں۔ یہ قدرتی بات ہے کہ موازنہ کرتے ہوئے ہم پچھلی کامیابیاں ضرور پیش نظر رکھیں لیکن ہمیں یہ بات بھی ضرور ملحوظ رکھنی چاہیے کہ کہیں فطری تعصب سے اپنے فیصلہ کو اعتدال یا انصاف کے نقطہ سے ہٹا نہ دیں اور کہیں اپنی کامیابیوں پر حد سے زیادہ زور دے کر اس ممکن سبق کو نظر انداز نہ کر دیں جو ہماری ناکامیوں میں پنہاں ہے۔ اپنی کامیابیوں پر غور و فکر کرنا نہایت خوشگوار احساس ہے لیکن اطمینان بالذات ہمیں صرف یہ یقین دلائے گا کہ ہم بہت خوشگوار لوگ ہیں۔ اس کے برخلاف اپنی ناکامیوں کو یاد کر لینے سے ہمیں یاد آتا ہے کہ خواہ ہم کتنے ہی ذہین اور روشن دماغ ہوں تاہم ہم عالم کل اور ہمہ دان نہیں ہو سکتے۔ اور یہ ہے بلند خیالی اور علم دوستی کا ثبوت۔ جہاں تک شاہراہ ترقی کا تعلق ہے ناکامیوں کا ذکر کرتے ہوئے ہمیں آخر میں ایک پر مذاق کہانی یاد آئی جسے شوق سے درج ذیل کیا جاتا ہے۔

کامیابیاں اور ناکامیاں = حال ہی کا ذکر ہے کہ جب ہم ڈاکٹر میک کرے کے اپنے ایک

مریض کا حال سنا چکے تو باہم بحث شروع ہو گئی۔ ہمارا ایک ہم منصب جو نزدیک ہی کھڑا چپکے چپکے ہماری باتیں سن رہا تھا ہمارے سامنے آ کر اپنے ایک مریض کا حال سنانے لگا جو ہمارے مریض کے حال سے بہت ملتا جلتا تھا لیکن یہ ذکر زیادہ دلچسپ تھا اور اس میں ہومیوپیتھک علاج سے شاندار کامیابی حاصل ہوئی تھی۔ ہم دونوں نے اس کامیابی پر اول تو اس کو مبارکباد دی اور پھر ڈاکٹر میک کرے نے یہ کہہ کر اس کو حیران کر دیا کہ "ہم تو ناکامیاں ڈھونڈ رہے تھے کامیابیاں نہیں۔" ہمارا رفیق ڈاکٹر میک کرے کا مفہوم بالکل نہ سمجھا۔ پس وہ سمجھانے لگے کہ "ہم ان مریضوں کے حالات پر غور کر رہے تھے جو علاج سے اچھے نہ ہو سکے۔ خیال یہ تھا کہ شاید سوچ بچار کرنے سے اپنی ناکامیابیوں کے اسباب معلوم کر سکیں۔" اس پر ہمارے دوست نے یقین نہ کرتے ہوئے کہا "کیا آپ کا یہ منشا ہے کہ آپ ناکامیاں چاہتے ہیں۔ہومیوپیتھک ناکامیاں ؟" "ناکامیاں ہی چاہتے ہیں ؟" ہمارے لائق ہم منصب نے جوب دیا۔ "جناب عالی ! ناکامیوں کے معاملہ میں تو میں آپ کی مدد نہیں کر سکتا۔"

ایسی شاندار کامیابیاں جو خطا اور نقص سے بالکل مبرا ہوں میں جھوٹ موٹ بیان نہیں کر سکتا اور آج آپ کے روبرو میں اپنی چند ناکامیاں سنانا چاہتا ہوں جو طاقت دوا کے سلسلہ میں ڈاکٹر میک کرے کے نظریہ کی پر زور حمایت کرتی معلوم ہوتی ہے لیکن انہیں سنانے سے قبل آپ کی توجہ ایک اور قسم کی ناکامی کی طرف مبذول کرائی جاتی ہے یعنی اگر ایک ایسے مریض کے حال کی طرف غور کیا جائے جو پہلے پہل تو خاصا سنبھلتا نظر آئے مگر پھر سنبھلتے سنبھلتے رہ جائے۔ یقین کیجئے کہ ہمیں اس وقت بے حد مایوسی ہوتی ہے کہ علاج شروع کر کے اول تو ہم مریض کو کچھ اچھا کر دیں مگر پھر انتہائی کوشش اور محنت کے باوجود اس کی مزید بہتری کے لیے کچھ نہ کر سکیں۔ ایسی ایک مثال دوسرے زیادہ پر زور متعلق بہ شہادت حالات سنانے سے پیشتر بیان کرنا مناسب ہے۔ ملاحظہ ہو۔

تقریباً پانچ سال کا عرصہ ہوا ایک معزز آدمی جو کئی سال سے دمہ میں مبتلا تھا ہمارے پاس آیا۔ صرف انہیلر (Inhaler) (ایک آلہ جس سے دوا سانس کے ساتھ چڑھائی جاتی ہے) سے اس کو قدرے آرام پہنچتا تھا۔ پلسٹلا نمبر 200 کی ایک خوراک دینے سے فوری افاقہ محسوس ہوا۔ ایک ماہ بعد اس نے بتایا کہ میں پچاس فیصدی بہتر ہوں اور انہیلر کے بغیر گزارہ کر سکتا ہوں۔ بہتری اور ترقی کی یہ صورت تقریباً تین ماہ جاری رہی

لیکن اس کے بعد پرانی تکلیف از سر نو ابھرنے لگی۔ حالات کا بغور مطالعہ کر کے ہم نے پلسٹلا 200 دہرایا لیکن اس مرتبہ دوا کا کوئی اثر نہ ہوا۔ ایک ماہ بعد اس کی حالت اور بھی بگڑ گئی اور پلسٹلا نمبر 10000 (دس ہزار) کی ایک خوراک دی گئی لیکن پھر بھی کوئی تبدیلی واقع نہ ہوئی۔ اس کے بعد کئی دوائیں آزمائی گئیں اور سب اعلیٰ طاقت کی لیکن سب بے سود۔ اس کی حالت بگڑتی چلی گئی بالآخر اس نے ہمارا علاج چھوڑ دیا اور اس کے بعد پھر کوئی خبر نہ ملی۔

جیسا کہ ذکر کیا گیا اس مریض کے حالات سے ہمیں کوئی بات سمجھ میں نہ آئی لیکن اتنا ضرور سمجھ گئے کہ اس مریض کے معاملہ میں طاقت دوا کے انتخاب میں بڑی غلطی کی۔ اب ڈاکٹر میک کرے کے اصول پر تجربات کر کے اس امر کا یقین ہو گیا ہے کہ اگر مندرجہ بالا مریض کو دوسری خوراک بجائے پلسٹلا نمبر 200 کے پلسٹلا نمبر 9 دی جاتی تو ضرور کامیابی حاصل ہوتی۔

اب شاید آپ ہمارے نو مختلف النوع مریضوں کے حالات سن کر عبرت اور ہدایت حاصل کریں گے۔ ان مریضوں میں سے ہر ایک میں ناکامی کے بعد مجھے ڈاکٹر میک کرے کا نظریہ بالکل درست ثابت ہوتا ہے۔ سہولت کے لیے ہم تین تین مریضوں کے حالات یکجا بیان کریں گے۔ پہلے تین مریضوں کے حالات ہمیں اعلیٰ طاقتوں کے بار بار دہرانے کے مضر اثرات کی یاد دلاتے ہیں۔

☆☆☆ مریض نمبر ۱ = حال و احوال مریض= یہ مریض اسکاٹ لینڈ کا ایک معزز آدمی تھا جس کی عمر بہتر سال تھی اور جس کو خلل اعصاب متعلق بہ نفس (سائکو نیوروسس - Psychoneurosis - ایک دماغی مرض جس کی وجہ سے جذبات اور قوت ضبط و قابو میں توازن باقی نہیں رہتا) تھا۔ وہ ان شوقین ہومیوپیتھوں میں سے ایک تھا جو اپنے دواؤں کے صندوقچے اپنے پاس رکھتے ہیں اور جو ہر ممکن موقعہ پر اپنی دوا آپ ہی تجویز کر کے استعمال کرتے ہیں۔ درحقیقت وہ ایک پرانا ہومیوپیتھ تھا۔ اس کے علاقہ میں ذرا زکام یا انفلوئنزا کی افواہ اڑتی تو وہ فوراً فیرم فاس یا جیلسیمیم پھانکنا شروع کر دیتا۔ اگر اس کی آواز ذرا بھاری ہو جاتی تو فوراً صندوقچہ میں سے کاسٹی کم نکال لیا جاتا۔ ذرا جوڑوں میں درد ہوتا چشم زدن میں رہس ٹاکس کی بوتل کھول لی جاتی۔ پس اس طرح وقت گزارا جاتا تھا۔ نمبر 30 سے نیچے کوئی طاقت استعمال کرنا وہ اپنے لیے باعث حقارت سمجھتا تھا اور کبھی

کبھی اگر ضرورت پڑتی تو 1000 بھی استعمال کرتا تھا۔ جب اس قسم کا دستور العمل سالہا سال سے جاری ہو تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اگر کوئی شخص دوائیہ اثرات کا خزینہ اور گنجینہ ہو سکتا ہے تو وہ یہی صاحب تھے۔ اس صاحب نے جب ہم سے مشورہ کیا تو اس کی حالت درحقیقت قابل رحم تھی۔اصل معاملہ یہ تھا کہ ایک دو ماہ سے اس کی حالت گرتی چلی جا رہی تھی اور اس دوران میں وہ اپنا علاج خود ہی کر رہا تھا۔ اس کی جسمانی حالت اس کی عمر کے لحاظ سے تو اچھی تھی مگر دماغی حالت نہایت خستہ ہو رہی تھی۔ ہر قسم کا خوف و توہم اس کے دماغ میں بسا رہتا تھا۔ وہ دن رات اداس رہتا تھا اور اس میں خود اعتمادی نام کو نہ تھی۔ ایمانو میٹر Emanometer سے جانچنے پر معلوم ہوا کہ اس نے کسی دوا کی غیر معمولی طاقت استعمال کی ہے اور اب کسی دوا سے اس کا علاج کرنا بے سود ثابت ہو گا۔ اس کو کثرت سے < پلیسبو > (Placebo) یعنی خالی شوگر کی پڑیاں کھانے کو دی گئیں اور یہ بات اچھی طرح اس کے ذہن نشین کرا دی گئی کہ اس کا پرائیویٹ دواؤں کا صندوقچہ ایک فضول چیز ہے علاج کے ایک ماہ کے اختتام پر ہمیں .... تھوڑی سی لیکن بالکل واضح بہتری کی جھلک نظر آئی۔ ایمانو میٹر سے دوبارہ جانچنے پر یقین ہو گیا کہ دوا کی طاقت کم ہوتی جا رہی ہے لیکن پھر بھی یہ طاقت اتنی زیادہ ہے کہ ابھی کوئی دوا نہیں دی جا سکتی۔ پس اس وقت سے پھر مریض کی حالت سنبھلتی چلی گئی اور دوا کی طاقت (ہر ماہ ایمانو میٹر سے پڑتال کی گئی) ماہ بماہ گھٹتی گئی۔ چھ ماہ کوئی دوا نہ دینے سے اس کی صحت اتنی اچھی ہو گئی کہ بیماری سے پہلے بھی اتنی اچھی نہ تھی۔ اس کے دوستوں نے کئی بار اور ابھی تک کہہ رہے ہیں "وہ اتنا جوان معلوم ہوتا ہے کہ ایسا گذشتہ سالہا سال نظر نہیں آیا۔" یہ ایک دلچسپ راز ہے کہ علاج کے دوران میں ایمانو میٹر سے جانچنے پر ایک دفعہ دوا کی طاقت میں عارضی عروج بھی دکھائی دیا گیا۔ چنانچہ اس کے متعلق بعد میں دانشمندی سے دریافت کئے جانے پر مریض نے تسلیم کر لیا کہ اس نے ہم سے پوشیدہ دوا کی خوراک خود کھائی تھی۔ یہ شاید اس کا پرانا دوست رہس ٹاکس تھا۔

☆☆☆ مریض نمبر ۲ = اس مریض کا حال شاندار اور زیادہ جاذب توجہ ہے۔ ملاحظہ ہو۔ ایک خاتون جس کی عمر ۴۷ سال تھی اس کو تکلیف دل' معدہ اور اعصاب کی تھی۔ خصوصیت سے اعصاب بہت خراب تھے۔ وہ پہلے میرے ساجھی ڈاکٹر اٹیلی کی مریضہ تھی اور میں نے اس کو صرف اس وقت دیکھا جب ڈاکٹر اٹیلی مطب میں موجود نہ تھے۔ اٹھارہ ماہ

ہوئے جب ڈاکٹر اٹیلی مطب کے فرائض سے سبکدوش ہو گئے تو وہ مجھ سے علاج کرانے لگی۔ چند سال پہلے اس کو موتیا بند ہوا تھا اور میرا علاج شروع ہونے سے ایک ماہ بعد اس کے ماہر امراض چشم معالج نے دائیں آنکھ سے موتیا نکال دینے کا فیصلہ کیا۔ سخت پریشانی کی حالت میں وہ مقامی ہسپتال میں گئی۔ آپریشن کامیابی سے کیا گیا لیکن دس روز کے بعد بدقسمتی سے اس کو اعصابی دورہ پڑ گیا۔ ہسپتال کی نرس نے سرجن کو اطلاع دی جس نے چوتھائی گرین (1/4) مارفیا دے دیا۔ مریضہ نے رات امن و سکون سے گزاری لیکن صبح کو قے کا شدید دورہ پڑا جس سے آنکھ تڑپ اٹھی اور سوج گئی اور پھر از راہ ہمدردی دوسری آنکھ بھی سوج کر سرخ ہو گئی۔ ماہر امراض چشم نے اس کو بتایا کہ "اب کچھ نہیں ہو سکتا اور تم عمر بھر کے لیے اندھی ہو جاؤ گی۔" یہ کہنا غیر ضروری ہے کہ مایوسی، اضطراب اور کرب و درد کی وجہ سے اس کی حالت قابل رحم تھی۔ اس وقت یہ محسوس کرتے ہوئے کہ کم از کم گذشتہ نو سال سے وہ تقریباً لگاتار دواؤں کی اعلیٰ طاقتوں سے علاج کرا رہی تھی اور یہ کہ میری دوائیں اس کو ذرہ برابر بھی فائدہ نہیں پہنچاتی تھی۔ میں نے طے کر لیا کہ اعلیٰ طاقت والی دوا علاج فوراً بند کر دینا چاہیے چنانچہ ایسا کرنے سے حالت میں بہت ہی بہتر تبدیلی واقع ہوئی یعنی دونوں آنکھوں کی سوجن کم ہونے لگی اور اس کے اعصاب درست ہونے شروع ہو گئے۔ یوں تین ماہ کے دوران میں بجائے اندھی ہونے کے اس نے اپنی بینائی میں یہاں تک ترقی حاصل کی کہ جہاں تک مجھ کو علم ہے گذشتہ نو سال میں اس کی نظر اتنی اچھی کبھی نہیں ہوئی تھی۔ اندریں حالات اس نے خود بائیں آنکھ کے موتیا بند کے اپریشن کرانے کی تجویز کی۔ جس سے ہر شخص کو سخت تعجب ہوا۔ مانچسٹر کے ایک ماہر امراض چشم نے مریضہ کے اپریشن پر رضا مندی ظاہر کی وہ مانچسٹر پورے ثبات وسکون سے گئی اور اس حالت کا موازنہ وہ اس پہلے وقت سے کرنے لگی جب وہ چوتھائی میل کے فاصلہ پر ہی ہسپتال دیکھ کر سخت پریشانی کی حالت میں گئی تھی۔ اس دفعہ اپریشن کامیاب رہا اور پندرہ روز بعد وہ گھر خوش و خرم لوٹ آئی۔ اب خیال کیجئے کہ گزشتہ نو سال میں وہ اوسطاً ہر دو تین ہفتہ کے بعد ہمیں ضرور طلب کرتی تھی۔ لیکن چودہ ماہ ہوئے اپنی شفا یابی کے وقت سے اب تک اس نے ہمیں صرف تین موقعوں پر بلایا پہلی مرتبہ سردی لگنے کے بعد جب اس کو نزلہ ہوا۔ دوسری مرتبہ اپنے شوہر کی موت کے صدمہ کے باعث اور تیسری مرتبہ بائیں آنکھ کو عینک لگانے کے لیے جانچنے کے واسطے جبکہ ہمیں یہ معلوم کر کے نہایت خوشی ہوئی کہ اس کی نظر

نارمل یعنی اوسط درجہ کی ہے۔

☆☆☆ مریض نمبر ۳ = اب ایک آخری مریض کا حال سنئے جو ایک بیس سال کی لڑکی ہے جس کو دس سال ہوئے اس کی بہن لے کر ہمارے پاس آئی۔ وہ ایک وہمی لڑکی تھی۔ خوف و توہم کی پتلی۔ ہمارا خیال ہے کہ اس سے پیشتر ہم نے پلسٹلا کی ایسی مکمل مریضہ نہ دیکھی ہو گی۔ اس کے بال خوبصورت' ملائم اور آنکھیں نیلی تھیں۔ جب کوئی اس سے ہمدردانہ بات کرتا تھا وہ رو پڑتی تھی۔ گرمی ناپسند کرتی اور باہر کھلی ہوا میں رہنا چاہتی تھی۔ اسے پلسٹلا نمبر 200 دینے سے خاصی حالت سدھر گئی مگر پھر مذکورہ بالا اسکاٹ لینڈ کے مریض کی طرح ترقی مسدود ہو گئی۔ اس کو پلسٹلا کی اعلیٰ سے اعلیٰ مختلف طاقتیں دی گئیں اور پھر دوسری دوائیں بھی بدلی گئیں مگر سب بس سود۔ حالت میں کچھ فرق نہ آیا۔ بالاخر اس کی بہن ناامید ہو گئی اور پھر تھوڑی سی بہتری کے لیے جو ہم پلسٹلا سے شروع میں دکھا چکے تھے ہمارا شکریہ ادا کر کے ہمیں علاج سے برطرف کر دیا۔ اس کے بعد ہم نے مریضہ کے متعلق پھر کچھ نہ سنا اور درحقیقت ہم اس کے سارے حالات بالکل بھول ہی چکے تھے لیکن گذشتہ نومبر میں ہمیں اس کے ہاں کسی اور مریض کو دیکھنے کے لیے بلایا گیا جو وہاں ان کے گھر پر ٹھہرا ہوا تھا۔ دروازہ ہمارے لیے سابقہ مریضہ نے کھولا لیکن وہ اس قدر بدلی ہوئی تھی کہ اول اول ہمیں مشکل سے یقین آیا کہ وہی لڑکی تھی۔ اب وہ بالکل تندرست' خوش و خرم خاتون تھی اور کبھی کسی کو بھول کر بھی یہ خیال نہ آ سکتا تھا کہ یہ ایک وقت میں پاگل خانہ کی احتمالی امیدوار تھی۔ ہمارے دریافت کرنے پر وہ صحیح طور پر یہ نہ بتا سکی کہ قطعی شفا اسے کب ہوئی لیکن یہ اچھی طرح جانتی ہے کہ جب میں نے اس کا علاج چھوڑا تو وہ اچھی ہونے لگی۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ وہ اپنی شفایابی کو بذریعہ مسیحی علاج (Christian Science) منسوب کرتی تھی لیکن اس اصول کے برخلاف یہ امر واقعہ ہے کہ ہمارے علاج شروع ہونے سے قبل بھی وہ مسیحی علاج کی معتقد اور پیرو تھی اور اس کی بہن اس کو میرے پاس یہ دیکھنے کے لیے لائی تھی کہ ہومیوپیتھی اس کی مدد کچھ کر سکتی ہے یا نہیں۔ کیونکہ اس وقت وہ مسیحی علاج سے بد سے بدتر ہوتی چلی جا رہی تھی۔

ان ایک ہی نوعیت کے مریضوں کے حالات کا ذکر یہاں ختم ہوا۔ ان سے ہمارا مقصود اعلیٰ طاقت والی دواؤں کے مضر اثرات پیش کرنا تھا۔ پہلا مریض جو اسکاٹ لینڈ کا تھا محض اعلیٰ طاقتور دواؤں کے استعمال بند کرنے سے صحت یاب ہوا۔

البتہ دوسرے مریض کے متعلق آپ ہم سے اس بارے میں متفق ہوں گے کہ ضعیف خاتون کا حال واقعی قابل غور ہے۔ ویسے تو وہ تقریباً نو سال سے بیمار تھی اب وہ بالکل اچھی ہو گئی اس حالت میں تبدیلی اس وقت واقع ہوئی جب سارے حالات اس کے ناموافق ہو گئے اور حالت بدتر ہو گئی۔ تبدیلی واقع ہونے کے وقت جو مختلف علاج وہ کر رہی تھی وہ صرف یہ کہ تمام دوائیں بند کر دی گیئں۔ لہٰذا کسی ایک مریض کی سرگزشت سے ہم کوئی فیصلہ کن ثبوت حاصل نہیں کر سکتے لیکن اتنا ضرور ہے کہ مذکورہ صدر مریضہ کا حال ہمیں صاف اور واضح نتیجہ اخذ کرنے کا موقع دیتا ہے وہ یہ کہ بسا اوقات اعلیٰ طاقت کی دواؤں کا مسلسل استعمال نہ ہو تو اصل مرض دور کرتا ہے۔

تیسرے مریض کا حال بھی دلچسپ اور معنی خیز ہے البتہ اس میں کمزور دلائل ہیں۔ اول یہ کہ جب شفا ہونے لگی تو مریضہ میرے زیر مشاہدہ نہ رہی اور دوسرا یہ کہ شفا یابی میں مسیحی علاج کو دخل مل گیا۔ ممکن ہے کہ شفا مسیحی علاج سے ہی حاصل ہوا کیونکہ یہ علاج، علاج عمل توجہ Psychotherapy متاثر ہوتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ مریضہ کو شفا خود بخود ہو گئی ہو اور بد قسمتی سے ہمیں علاج کے بارے میں اس قدر جلد علیحدہ کر دیا گیا اور کامیابی کا سہرا ہومیوپیتھی کے سر نہ باندھا جا سکا۔ لیکن پھر بھی ہمیں احتمال ہے کہ شاید ہمارے پلسٹلا نے ہی معجزہ بپا کیا ہو اور ڈاکٹر میک کرے کے نظریہ کے مطابق دوا نے کچھ عرصہ بعد اپنا اثر دکھایا ہو اور کیا عجب ہے کہ وہ اول الذکر معزز آدمی باشندہ اسکاٹ لینڈ بھی جس کے علاج میں اپنی ناکامی کا ذکر ہم تینوں مریضوں کے حالات سے قبل کر چکے ہیں کچھ عرصہ بعد قدرتی طور پر خود بخود صحت یاب ہوا ہو۔

اب دوسری قسم کے مریضوں کا حال ملاحظہ فرمائیے۔ ان تین مریضوں کے حالات اس غرض و غایت سے درج کیے گئے ہیں کہ خالص اعلیٰ طاقت والی دواؤں کے علاج اور ڈاکٹر میک کرے کے طریقہ کار میں موازنہ کیا جا سکے۔

☆☆☆ مریض نمبر ۴ = مریضہ عمر اسی سال۔ اپنی حالت کے متعلق بہت وہمی اور محتاط تھی۔ گھر سے باہر اس وقت تک قدم نہ رکھتی تھی جب تک پورا اطمینان نہ کر لیتی تھی کہ باہر ہوا نہیں چل رہی جو اس کو سردی پہنچا سکے۔ ہم برابر دس سال اس کا علاج کرتے رہے اور دیکھا کہ جب کبھی اس کو کوئی مرض نہیں ہوتا تھا تب بھی وہ کمزور اور نازک نظر آتی تھی۔ جب اس کو نزلہ زکام یا انفلوئنزا نہیں ہوتا تھا تو معدہ کی کچھ نہ کچھ تکلیف ضرور

ہوتی تھی یا کھانسی کے لیے اس کو علاج کرانا پڑتا تھا۔ گزشتہ موسم خزاں میں اس کو زکام ہو گیا اور حسب معمول اس نے ہمیں بلا بھیجا۔ جب ہم اس کی دوا تیار کر رہے تھے تو وہ کہنے لگی "ڈاکٹر صاحب! کیا آپ کو معلوم ہے کہ آپ کو آخری مرتبہ بلائے ہوئے مجھے تقریباً ایک سال ہو گیا۔ گزشتہ اٹھارہ ماہ میں میرا حال بہت ہی اچھا رہا ہے یہ کیوں! میں سمجھتی ہوں کہ جوں جوں میں بوڑھی ہوتی جا رہی ہوں میری حالت گرتی جا رہی ہے سنبھل نہیں رہی۔" گویا اپنی رائے کی تصدیق کرنے کے لیے اس نے اس آخری زکام سے اچھا ہونے کے لئے تین روز لگا دیئے حالانکہ ایک یا دو سال ہوئے اس کو اس قسم کے شفا یابی میں پندرہ پندرہ دن لگتے تھے۔ اصل حقیقت یہ تھی کہ تقریباً دو سال ہوئے ہم نے اس کو نمبر 200 اور نمبر 1000 کی طاقت کی دوائیں دینا بند کر دی تھیں اور ڈاکٹر میک کرے کے "طاقت دوا" کے ماتحت دوا کا انتخاب کرنا اختیار کر لیا تھا۔

☆☆☆ مریض نمبر ۵ = ایک معزز آدمی عمر تقریباً انسٹھ سال (۵۹)۔ اس کی خاص تکلیف اذن قلب کی ریشک سازی Auricular Fibrillation تھی جو چھ سات سال ہوئے بہت کم ہو گئی۔ جب تک وہ ڈاکٹر اٹیلی کے زیر علاج رہا وہ ...... بھی مراقی Hypochondrial طبع تھا۔ اس کو کبھی ایک جلدی مرض ہوا تھا جس کے بعد اسے اعصابی درد اکثر رہتا تھا اور کمزوری معدہ کے باعث ہاضمہ خراب تھا۔ ایک عرصہ بعد اذن قلب کی ریشک سازی گھٹ گئی اس کا اعصابی درد بھی کم ہو گیا اور معدہ بھی اپنا کام اچھی طرح کرنے لگا۔ سب سے بڑی بات یہ ہوئی کہ وہ اپنے آپ کو تندرست محسوس کرنے لگا اور سابقہ سالوں کی نسبت علاج کی ضرورت بھی بہت کم محسوس ہونے لگی۔ یہ سارا انقلاب تقریباً ایک سال سے شروع ہوا جب سے اعلیٰ طاقتوں کی بجائے اسے دوا کی ادنیٰ طاقتیں دی جانے لگی تھیں۔

☆☆☆ مریض نمبر ۶ = مریضہ عمر ستر سال۔ ہلکی قسم کی مرگی Petit Mal کے دوروں کے لیے ڈاکٹر اٹیلی سے دو تین سال علاج کراتی رہی۔ ڈاکٹر موصوف اس کو پندرہ دن میں ایک دفعہ ضرور دیکھ لیا کرتے تھے۔ تقریباً اٹھارہ ماہ ہوئے جب ڈاکٹر اٹیلی پریکٹس سے سبکدوش ہوئے تو وہ ہمارے زیر علاج آئی۔ ہم تقریباً دو ماہ تک اس کو پندرہویں دن دیکھتے رہے۔ اس کے بعد ہمارے شفا خانہ میں مہینہ میں ایک دفعہ آنے لگی اور بعد ازاں اس سے بھی زیادہ وقفہ سے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اب وہ پہلے سے اچھی ہے اسے دورے اب بہت کم پڑتے ہیں اور جب پڑتے بھی ہیں تو بہت ہلکے ہوتے ہیں۔

ان تین مریضوں کے حالات میں کوئی حیرت انگیز یا عجیب چیز نہیں لیکن ایک قابل ذکر بات یہ ہے کہ جب دواؤں کی اعلیٰ طاقت کی بجائے ادنیٰ طاقتیں دی جانے لگیں تو حالت میں بہتری شروع ہو گئی- اس ستر سالہ مریضہ کے متعلق یہ بھی بتا دینا چاہیے کہ ڈاکٹر اٹیلی کو میٹریا میڈیکا پر جو عبور حاصل تھا وہ حیرت انگیز اور رشک انگیز ہے اور یہ بالکل غیر یقینی ہے کہ ہم دو ماہ سے کم عرصہ میں کسی ایسے مریض کے لئے دوا انتخاب کرنے میں کامیاب ہو جائیں- جس کے علاج میں ڈاکٹر صاحب دو سال سے زیادہ سرگرداں رہے ہوں- یہ بے شک ممکن ہے کہ ہم کامیاب بھی ہو جائیں لیکن بالکل غیر اغلب- لیکن ڈاکٹر موصوف نے مریضہ کو کبھی کوئی طاقت نمبر 30 سے نیچے نہیں دی اور میں نے کبھی نمبر 9 سے اوپر نہیں دی-

آخر الذکر تین مریضوں کے حالات وہ ہیں جن کا علاج ہم نے ڈاکٹر میک کرے کے اصول کے مطابق کیا- اب ان کے حالات پر تبصرہ کرنے میں زیادہ وقت نہیں ملے گا بلکہ سرسری طور پر وہ موٹی موٹی باتیں ذکر کی جائیں گی جو ہر ملاحظہ پر ہم نے اپنی یاداشت میں بطور معمول درج کر رکھی ہیں-

☆☆☆ مریض نمبر ۷ = مریضہ عمر اکسٹھ سال(٦١)- اس نے گزشتہ سال ١٢- اپریل ہمیں اول بار بلایا ہم نے دیکھا کہ ایک دو ماہ سے حالت ناگفتہ چلی جا رہی ہے- مریضہ تھکی ماندی، کمزور، اداس، گرمی خصوصاً سر کو چڑھتی ہوئی، سر جھکانے کے وقت حالت بد تر، گرمی محسوس ہونے پر سر پر خصوصیت سے پسینہ آ جانا، جوڑوں میں درد، گھٹنوں اور ٹخنوں میں درد، بواسیر، اعصاب میں تشنج، ہر صبح جب اٹھتی ہے تو مٹھیاں بندھی ہوئی اور پاؤں اینٹھے ہوئے پاتی ہے- سیڑھیاں چڑھنے پر وہ محسوس کرتی ہے کہ اپنے پاؤں مضبوطی سے پکڑے رکھے- کھچاؤ، تناؤ وغیرہ جو غیر محرموں کی ملاقات سے زیادتی پذیر تھے، بلڈ پریشر 230_

12_ اپریل _ ڈائسکوریا نمبر 30 کی دو خوراکیں دی گئیں-

19_ اپریل _ ایک دو روز حالت بہتر رہی اس کے بعد پھر بگڑ گئی- شکری پڑیاں دے دی گئیں-

25_ اپریل _ ہر لحاظ سے حالت اچھی رہی- بلڈ پریشر 225 ہو گیا-

17_ مئی _ حالت خاصی اچھی ہے- پھر گرمی کا دورہ ہوا- چہرہ سرخ اور پھر پسینہ زیادہ آیا- کمر میں درد اور اکڑاہٹ- بلڈ پریشر 215_ سلفر نمبر 9 کی دو خوراک-

24_ مئی _ کمر کا درد اور اکڑاہٹ بدستور ہے _ کانوں میں سنسناہٹ- عام حالت بہتر ہے- اس دن سے حالت باقاعدگی سے اچھی ہوتی چلی گئی اور بلڈ پریشر بھی اور گرتا گیا-

13_ اکتوبر _ صرف بائیں پیر اور ٹخنے میں اعصابی درد ورنہ باقی حالت بالکل درست- بلڈ پریشر 175_ ایک ماہ کے بعد ورم اعصاب بھی جاتا رہا اور مریضہ ہر لحاظ سے بالکل تندرست ہو گئی-

☆☆☆ مریض نمبر ۸ = ایک شخص عمر ۵۷ سال- ذیابیطس ' وزن کم ہوتا جا رہا تھا' سارا دن پیاس لگتی تھی' ذرا سی محنت سے تھک جاتا تھا' اکثر احتلام کی شکایت' گزشتہ تین ماہ میں تقریباً چودہ کلو گرام وزن کم ہو گیا-

18_ فروری 1938ء ذیابیطس Glycosuria چھ فیصدی- لیمیٹڈ کاربو ہائیڈریٹ یعنی ایسی غذا جس میں نشائیہ اور شکری اجزاء بہت کم ہوں دینے کی ہدایت کی گئی- کوئی دوا نہیں دی گئی تاکہ صرف خوراک ہی کا اثر دیکھا جائے- ۲۶- فروری - ڈیڑھ کلو گرام وزن اور کم ہو گیا- شکر 5 فیصدی-بووشا نمبر 30 دیا گیا-

10- مارچ - حالت بہتر نہیں- عرصہ سے نظر دھندلی رہتی ہے لیکن گزشتہ پندرہ روز سے زیادہ دھندلی رہنے لگی- ڈیڑھ کلو گرام وزن بڑھ گیا- شکر ۴ فیصدی- خالی شکری پڑیاں دے دی گیئں-

24-مارچ - حالت بدستور- شکر ۴ فیصدی' یورینیم نائٹریٹ نمبر 6 دو خوراک-

7-اپریل - حالت بہتر- پیاس کم- ڈیڑھ کلو گرام وزن اور بڑھ گیا- ابھی تک تکان بہت زیادہ محسوس ہوتی ہے- شکر 1.5 فیصدی- خالی شکری پڑیاں جاری رکھی گیئں-

۴- اگست - مریض بالکل اچھا- صبح کو تھوڑی تکان محسوس ہوتی ہے- وزن کم نہیں ہوا- شکر 0.25 فیصدی- کوئی دوا نہیں دی-

اس وقت سے باوجود خوراک میں بے اعتدالی کے مریض بالکل اچھا ہے- دوست اور رشتہ دار اس کی حالت دیکھ کر حیران ہوتے ہیں-

☆☆☆ مریض نمبر ۹ = مریضہ عمر ۵۴ سال- دورہ دار درد سر- اوسطاً پندرہ دن میں ایک مرتبہ- حیض بے قاعدہ- متلی کے ساتھ سر چکرانا- گرمی کا احساس-

23_ فروری 1937ء _ ڈاکٹر ائیلی نے لیکسس نمبر 200 دیا-

9_ مارچ _ ڈاکٹر ائیلی نے پھر لیکسس نمبر 200 دیا۔
8_ اپریل _ دورے اب اتنے شدید نہیں۔ ڈاکٹر ائیلی نے خالی شکری پڑیاں دیں۔
20_ اپریل _ ڈاکٹر ائیلی نے آرسینکم ایلبم 1000 دیا۔
11_ مئی _ میں نے سلفر نمبر 9 دیا۔
25_ مئی _ درد سر ۱۶۔ مئی کو ہوا اور پھر اس کے بعد کوئی دورہ نہیں پڑا۔ متلی نہیں۔ کبھی کبھی گرمی محسوس ہوتی ہے اور چہرہ تپ جاتا ہے۔
15_ جون _ حالت بہتر رہی۔ گزشتہ ہفتہ درد سر کے دو دورے پڑے۔گرمی زیادہ محسوس ہوتی رہی۔ گرمی کے بعد اب سردی معلوم ہوتی ہے۔ ابر آلود موسم میں درد سر ہو جاتا ہے۔ سیپیا نمبر 9 دیا گیا۔

اس دن سے ہر تکلیف مکمل طور پر دور ہوتی چلی گئی۔ صرف جولائی کے وسط میں درد سر کا دورہ پڑا اور گزشتہ اکتوبر میں گرمی محسوس ہوئی اور پیشاب کرتے وقت پیشاب کی نالی میں ہلکا ہلکا درد ہوا۔ سیپیا نمبر 9 کی ایک اور خوراک دی گئی۔ جس سے تمام تکلیفیں رفع ہو گیئں۔ اس کے بعد وہ پھر کبھی نہیں آئی۔ غالبًا بالکل اچھی ہو گئی ہو گی۔

ان دو قسم کے مریضوں کے حالات میں ہر مریض کا حال اور اس کی شفایابی ڈاکٹر میک کرے کے اصول کے مطابق ہوئی پہلے تین مزمن مریضوں کے حالات ہیں جن کا علاج عرصہ تک دواؤں کی اعلیٰ طاقتوں سے کیا جاتا رہا اور جوں ہی دواؤں کی تمام طاقتیں روک دی گئیں مریضوں کی حالت میں نمایاں بہتری ہوتی نظر آئی۔ ان مریضوں کے حالات میں یہ توضیح کی گئی ہے کہ یہ ممکن ہے کہ دواؤں کی اعلیٰ طاقتیں علامتیں پیدا کر کے یا پہلی علامتوں کو فروغ دے کر یقینی نقصان کریں۔ دوسرے تین مریضوں کے حالات میں یہ دکھایا گیا ہے کہ مزمن امراض میں جب اعلیٰ طاقتوں کا استعمال ترک کر کے ادنیٰ طاقتیں استعمال کی گیئں تو بہت فائدہ ہوا۔ پس طاقتوں کے مضر اثرات سے بچنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ادنیٰ طاقتیں استعمال کی جائیں۔

مسئلہ طاقت دوا کا حل

اس ضمن میں مندرجہ ذیل دلائل پر پورا پورا غور کرنا چاہیے۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ جیسا کہ پہلے تین مریضوں کے حالات سے ظاہر ہے کہ اعلیٰ طاقت کی دوائیں بار

بار دینے سے مریض کو نقصان ہونا ممکن ہے اور جیسا کہ دوسرے تین مریضوں کے حالات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ نقصان حتی الامکان ڈاکٹر میک کرے کے اصول کے مطابق علاج کرنے سے رفع کیا جا سکتا ہے تو یقیناً ہم میں سے ہر ایک کا فرض ہے کہ نئے طریقہ کی آزمائش کر کے خود ہی دیکھ لیں کہ آیا نیا اصول پرانے طریق سے بہتر ہے یا نہیں۔ اس بارے میں ہم نے آزمائش کی ہے اور ہمیں یقین ہے کہ درحقیقت ڈاکٹر میک کرے کا نیا اصول ہی بہتر اور کارآمد ہے۔ لہٰذا آپ بھی اپنے آپ کو مطمئن کرنے اور یقین دلانے کے لیے اس نئے اصول کی آزمائش کر سکتے ہیں۔ آخری تین مریضوں کے حالات مفصل طور پر نئے اصول کے استعمال کا عملی طریقہ سکھاتے ہیں اور نہ صرف نئے اصول کی صداقت کی تصدیق بلکہ پست ہمت اصحاب کی حوصلہ افزائی کے لیے ایک ایسی حقیقت پیش کرتے ہیں جس پر عمل کرنے سے طاقت دوا کا مسئلہ ہمیشہ کے لیے حل ہو جاتا ہے اور یہ کہ مزمن امراض ڈاکٹر میک کرے کی طاقت دوا کے انتخاب کے طریقہ سے جلد از جلد اچھے کئے جا سکتے ہیں۔ خصوصاً جب کوئی صاحب ادنیٰ طاقتوں کو مقابلتہً غیر موثر خیال کرنے کے عادی ہو جائیں تو یہ محسوس کرنا ایک قدرتی بات ہے کہ ادنیٰ طاقتیں اعلیٰ طاقتوں کی طرح گہرا اور دیرپا اثر پیدا نہیں کر سکتیں۔ اس شک کو بھی رفع کرنے کے لیے صرف یہ خیال کرنا اور سوچنا ضروری ہے کہ ان تین مریضوں کے علاج میں جن کا ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں نمبر 9 طاقت کا اثر ایسا ہی دیرپا تھا جتنا کہ اعلیٰ سے اعلیٰ طاقتوں سے توقع کیا جا سکتا ہے۔

مسئلہ طاقت دوا کے متعلق ہماری ذاتی رائے

ہماری ذاتی رائے یہ ہے کہ ڈاکٹر میک کرے کا نیا اصول بہتر ہے لیکن یہ ایسی رائے ہے جو زبانی بحث مباحثوں سے جھوٹی یا سچی ثابت نہیں کی جا سکتی کیونکہ اگر آپ کو تجربہ و عمل سے اس حقیقت سے اتفاق ہے جیسے کہ مندرجہ بالا مریضوں کے حالات سے ظاہر ہے کہ اعلیٰ طاقتوں کے بعد ادنیٰ طاقتیں ایسے ہی اچھے نتائج پیدا کر سکتی ہیں جیسے کہ آپ کا اپنا پہلا طریقہ تو یقیناً ڈاکٹر میک کرے کا اصول محفوظ تر سلسلہ ہے جس پر عمل کرنا چاہیے۔ خصوصاً جب آپ یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ دوا میں ایک ایسی قدرت پنہاں ہوتی ہے جو مریض میں دوائیہ علامات پیدا کر کے نقصان پہنچا سکتی ہے۔

قدرتی دوا کے متعلق ہماری ایک مریضہ کی رائے شاید بہتر توضیح کر سکے اس لیے وہ

بھی قلمبند کی جاتی ہے۔ یہ خاتون قدرتی علاج کی عادی ہے لیکن پچھلے دنوں وہ ہومیوپیتھی آزمانے پر رضامند ہو گئی۔ ایک دن جب وہ بجلی سے کام کرنے والا جوسر Wringer Electric استعمال کر رہی تھی اور جب کہ وہ گاجروں اور نارنگیوں کے خوبصورت رس کو دیکھ کر قدرت کی اس انمول نعمت کی تعریف میں سرشار تھی تو اس نے بے خودی میں اپنا بایاں ہاتھ بیلن میں کچل لیا۔ بڑی مشکل سے جب وہ اپنے آپ کو بیلن سے چھڑا چکی تو اس نے ہمیں بھی بلا بھیجا۔ حالات سن اور دیکھ کر جب ہم نے اپنا صندوقچہ آرنیکا نکالنے کے لیے کھولا تو وہ کہنے لگی' آپ مجھے کوئی دوا تو نہیں دے رہے۔ کیا دے رہے ہیں؟ ہم نے جواب دیا کہ "ہم دوا ہی تو دینے لگے ہیں۔" خاتون نے اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا "لیکن ہم قدرتی علاج کرانے والے لوگ ہیں۔ ہم دوا پر اعتقاد نہیں رکھتے۔" اس پر وہ ہماری حیرانی دیکھ کر پھر کہنے لگی کہ "ہم" سے مراد ہم لوگ ہیں جو محض قدرتی مدد پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ ہم قدرتی علاج کے معتقد کبھی ہومیوپیتھک دواؤں کا اعتقاد رکھتے تھے لیکن آج کل ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہومیوپیتھک دوائیں ایلوپیتھک دواؤں سے بدتر ہیں اور یہ کہ ہومیوپیتھک دوائیں زیادہ گہرا اثر رکھتی ہیں۔ یہ سب ماجرا سن کر ہمیں یقین ہوگیا کہ خاتون کا یہ فیصلہ محض ایک مراقی کی بے سروپا رائے نہیں کیونکہ مندرجہ بالا مریضوں کے تلخ تجربات نے مجھے خود سوجھا دیا کہ کیا تعجب ہے کہ ان قدرتی علاج کے پیروکاروں نے بھی ایسے مریضوں کے حالات مشاہدہ کئے ہوں جنہیں افاقہ محض اس وقت محسوس ہوا ہو جب کہ وہ ہومیوپیتھک علاج بند کر کے دوا کی طاقت سے نجات پاتے ہوں۔

اس ساری بحث کے بعد دوسرا دلچسپ واقعہ جو قابل غور ہے یہ ہے کہ مندرجہ بالا مریضوں کے حالات میں جو قوت دوا ثابت کرنے کے لیے پیش کئے گئے ہیں **خلل اعصاب** Neurotic اور **خلل اعصاب متعلق بہ نفس** Psycho_Neurotic کا عنصر سب میں نمایاں تھا۔ قوت دوا کا اصول صحیح خیال کرتے ہوئے تو کہا۔ یہ وہی چیز نہیں ہے جس کی ہمیں توقع کرنی چاہیے۔ اگر جیسا کہ ہم میں سے اکثر لوگ یقین رکھتے ہیں ہماری دواؤں کی طاقتیں ہمارے وجود کی ممتاز ترین (قوت حیات) پر شفا بخش اثر پیدا کرتی ہیں تو کیا یہ بات اغلب نہیں کہ کوئی مضر اثر جو وہ پیدا کر سکتی ہیں نمایاں طور پر اسی قوت حیات پر ظاہر ہو اسی سلسلہ میں یہ ذکر کر دینا شاید بے محل نہ ہو کہ بہت سال ہوئے جب کہ قوت دوا کا کسی کو وہم و گمان بھی نہ تھا۔ ہماری بیوی نے یہ رائے ظاہر کی کہ ہومیوپیتھی خلل اعصاب پیدا

کرتی ہے یہاں بہتر ہوتا کہ پہلے ہم یہ بھی بتا دیتے کہ ہماری بیوی ایسی ہی راسخ الاعتقاد ہومیوپیتھ ہے جیسا کہ ہم میں سے کوئی۔ تاہم اس کو بالکل یقین تھا کہ اس کا اعتراض صحیح ہے اور اس کو ثابت کرنے کے لیے اس نے بہت سی مثالیں بھی دیں۔ اب ہمیں معلوم نہیں کہ اس وقت قوت دوا کے مضر اثرات کے متعلق آپ کی رائے کیا ہے لیکن ہم خود اپنی بیوی کی رائے سے اتفاق کرنے پر مائل ہیں۔ اگرچہ وہ یہاں موجود نہیں اور دیکھ نہیں رہی کہ ہم اس کی تائید کر رہے ہیں اگر یہ اعتراض صحیح ہے تو اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ علامتوں کی لگاتار چھان بین اور مریضوں سے گونا گوں سوالات کرنا جو ہومیوپیتھک تشخیص کے لیے ضروری ہے۔ ممکن ہے ہمارے مریضوں کے دماغ میں مشاہدہ نفس کی ایک غیر ضروری عادت پیدا کر دیتا ہو۔ لیکن ان دو میں سے ایک بات ضروری ہے یعنی دوا میں خواہ مفید ہو یا مضر قوت موجود ضرور ہوتی ہے۔ اگر مفید قوت ہے تو قوت حیات کو مزید امداد ملے گی ورنہ نقصان پہنچے گا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ جہاں ہومیوپیتھی فائدہ بخش طریقہ علاج ہے وہاں اگر طاقت دوا کا غلط یا بے محل استعمال ہو تو نقصان کا احتمال بھی ضروری ہے۔

اب ختم کرنے سے پہلے ہم یہ مسئلہ ایک اور طریقہ سے سمجھا دینا چاہتے ہیں۔ دوا کی طاقت کے تمام سوالات کا اس وقت کوئی لحاظ نہ کرتے ہوئے کیا یہ بات معقول معلوم نہیں ہوتی کہ دوا کی اعلیٰ طاقت دینے کے بعد پھر ادنیٰ طاقت دی جائے کیونکہ اگر پہلی اعلیٰ طاقت والی دوا نے مفید اثر پیدا کر دیا تو مابعد مریض یقیناً بہتر محسوس کرنا شروع کر دے گا اور اس صورت میں اسے زیادہ تحریک کی ضرورت نہ ہو گی بلکہ پہلے اثر کی تجدید کرنے کے لیے ہلکے محرک کی ضرورت ہو گی نہ کہ تیز۔ علاوہ ازیں ایک لمحہ کے لیے یہ بھی غور کیجئے کہ ہانمن نے تقویت دوا کا اصول مروجہ مادی خوراکوں کو کم کرنے کی غرض سے اختیار کیا تھا وہ اس معقول عقیدہ پر عمل پیرا ہوا کہ اصل دوا وہی ہے جو مقدار میں کم از کم ہو اور جو مریض پر صحت بخش اثر پیدا کرے۔ پس اگر آپ کو اس اصول سے اتفاق ہے کہ طاقت جتنی اعلیٰ ہو اتنی ہی زیادہ محرک ہو گی تو کیا ہانمن کے اصول پر عمل کرنا اور یہ کہنا کہ وہ معقول اور مدلل نہیں۔ لہٰذا اصل دوا مقدار میں کم از کم ہونی چاہیے درست ہو گا۔ لامحالہ اگر ہمارے آخری تین مریضوں کے حالات کچھ قدر و قیمت رکھتے ہیں تو یہ امر یقینی ہے کہ اول کوئی اعلیٰ طاقت دینے کے بعد نمبر 9 یا نمبر 6 طاقت کی دوا دے کر بہترین کامیابی حاصل کی جا سکتی ہے۔ ہمیں یاد ہے کہ جب ہم ہومیوپیتھی کی سچائی کو شک و شبہ کی نگاہوں سے

دیکھتے ہیں تو ڈاکٹر واشنگٹن نے ہمیں ایک مفید مثال دے کر سمجھایا کہ دوا اس وقت نہ دہرائی جائے جب تک اس کا سابقہ اثر ختم نہ ہو جائے۔ انہوں نے کہا "فرض کرو ایک تھکا ماندہ گھوڑا ایک پہاڑی پر چڑھ رہا ہے جب وہ ایک ہی چابک کھا کر تیزی سے چل دے تو دوسرا مارنے کی کیا ضرورت ہے۔" شاید وہی مثال طاقت دوا کے مسئلہ پر بھی صادق آتی ہے اور ہم میں سے کوئی معقولیت سے کہہ سکتا ہے کہ مریض پر دس ہزار کا ہنٹر کیوں لگاتے ہو جبکہ نمبر 9 کی ہلکی چوٹ ہی کافی ہے۔

کیا یہ ممکن نہیں بلکہ مجھے یہ کہنا چاہیے اغلب نہیں کہ کینٹ نے جب چھوٹی طاقتوں سے پرہیز کیا تو پنڈولم دوسری طرف حد سے زیادہ بھونٹے کھانے لگا؟ کیا ہم یقین رکھ سکتے ہیں کہ ہمارا یہ خیال کہ مزمن امراض میں چھوٹی طاقتیں ناکارہ اور بلند طاقتیں قادر مطلق ہوتی ہیں۔ اچھا ہے؟ کیا یہ امر زیادہ یقینی نہیں کہ دوا کی مختلف طاقتوں کے بہت سے مختلف میدان عمل ہیں اور یہ کہ اونچی اور نیچی طاقتیں دونوں اپنا کام کرتی ہیں۔ نیز یہ کہ طاقت دوا کی کمی بیشی کے ابھی بہت سے امکانات ایسے ہیں جن کے متعلق تحقیق کی جا سکتی ہے۔ میرا خیال یہی ہے اور میں یقین کرتا ہوں کہ ڈاکٹر میک کرے کی دوا کی طاقت کی دریافت ان باتوں کے ایک جدید تر و مکمل تر آغاز ہے۔

بس صاحبو! مجھے یہ کہنا تھا اور اب آپ میں سے وہ لوگ جو ہوش مند اور باخبر ہیں اپنے ہمسایوں کو جگا کر یہ پر مسرت خبر سنا سکتے ہیں جو میں نے ابھی ختم کی ہے ایک بات جس کے لیے آپ سب کو شکر گزار ہونا چاہیے یہ ہے کہ میں نے فاضل صدر کی نصیحت کا خیال نہیں کیا اور لیکننتھیز کھانے سے باز رہا ہوں۔ ڈاکٹر بورک کہتے ہیں کہ "اس دوا میں خاص علامت یہ ہے کہ مریض تقریر کرنے کی خواہش کرتا ہے۔" لیکن ڈاکٹر کلارک اس معاملہ میں زیادہ گہرائی تک جاتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ "نہایت فصاحت جس کے بعد بے وقوفی اور چڑچڑا پن" پس اگر اب شروع ہونے والی بحث میں میں خصوصیت سے بیوقوف اور بد مزاج نظر آؤں تو آپ کو اپنی ممتاز و نامور ہستیوں کا شکریہ ادا کرنا چاہیے کہ یہ صرف مرض کی طاقت کی علامتیں ہیں اور لیک کینتھز کی طاقت دوا سے بڑھائی نہیں گئی ہیں۔